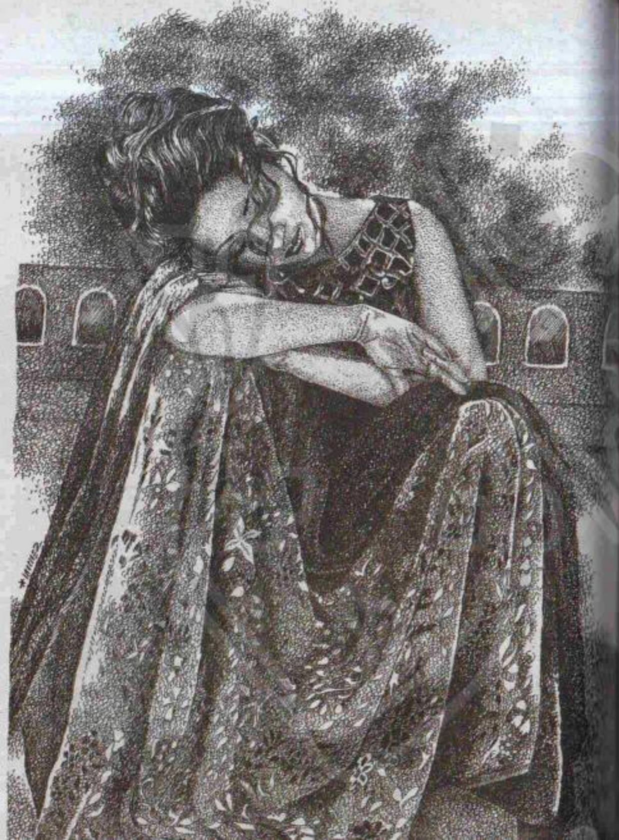

مکمل ناول

سالگرہ نمبر

فرحانہ ناز ملک

# تم سنگ نیناں لاگے

"زکی بھائی..... آپ کی اس بائیک سے تیز تو میں چل لیتی۔" جب راستے میں آنے والے دسویں بریکر کے سامنے بھی زکی بھائی کی موٹر سائیکل روایت نہ توڑتے ہوئے رک گئی اسے جلے دل کے ساتھ پھپھولا پھوڑنا ہی پڑا۔

"اب اتنے بریکر آرہے ہیں تو میرا کیا قصور؟" برا منائے زکی بھائی نے ایک بار پھر کک ماری تھی وہ کہہ نہیں سکی۔ ان بریکرز کا ایسا صحیح استعمال اس نے ان سے زیادہ کسی کو کرتے نہیں دیکھا دور سے دیکھتے ہی زکی بھائی اپنی بائیک کی رفتار آہستہ کرتے جاتے اتنی کہ بریکر تک آتے آتے موٹر سائیکل کا دم نکل جاتا۔ وہ تو اس لمحے کو کوستے نہیں تھک رہی تھی جب زکی بھائی کے ساتھ جانے پر تیار ہو گئی تھی۔ جو رستہ موبی کے طفیل پندرہ، بیس منٹ میں کٹتا..... وہ اب زکی بھائی کی مہربانی سے گھنٹہ ہوا طے ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

"زکی بھائی تھوڑا تیز چلائیں نا۔" نو بج چکے تھے۔ یعنی پہلا پیریڈ شروع ہو چکا ہو گا۔ اس کی ہوائیاں اڑاتی شکل نظر آئی تو شاید زکی بھائی موٹر سائیکل میں تھوڑی جان ڈال لیتے مگر ابھی تو ایسے محو سفر تھے جیسے ہمسفر وہ نہیں ان کی کوئی محبوبہ ہو جس کی سنگت میں سفر لمبا کیے جا رہے ہوں۔

"اب اور کتنی تیز چلاؤں؟ موبی کی طرح راکٹ بنا کر اڑاتا تو ٹھیک تھا۔ ایسے چلاتا ہے جیسے موت کے کنویں میں چلا رہا ہو۔" دوہری مصیبت اب زکی بھائی کے بھاشن بھی شروع ہو گئے تھے۔ جو موٹر سائیکل کی کم رفتاری کے باعث با آسانی اس تک پہنچ رہے تھے۔

"آپ کی طرح بھی کوئی نہ چلائے، چیونٹی قدمی کرا رہے ہیں موٹر بائیک کو۔" وہ رونے کو آگئی۔

"ایک تو تمہارا کالج شہر کے آخری کونے میں۔" چلو جی یہ بھی اس کا قصور آج سے پہلے یہ آخری کونا اسے اتنا نہیں کھلتا تھا جتنا آج تاؤ دلا رہا تھا۔

"ناں تمہیں مشورہ کس نے دیا تھا ایم اے ایجوکیشن میں داخلہ لینے کا اور سبجیکٹ ختم ہو گئے تھے کیا، یا اس کی ویلیو زیادہ ہے۔" اب کی بار زکی بھائی نے اس کی دکھتی رگ پکڑلی یہ غم تو اس کا پہلا سمسٹر دے چکنے کے بعد بھی تازہ تھا۔ بی اے پاس کرنے کے بعد ایک سال تک وہ خوش باش پرسکون و مطمئن کہ اتنا بہت ہے تعلیم یافتہ ہونے کے لیے مزید پڑھائی کی ضرورت نہیں۔ جب تایا ابا نے زبردستی اس کا ایڈمشن ایم اے ایجوکیشن میں کرا دیا۔ وہ بتانا چاہتی تھی کہ اسے ایجوکیشن تو کیا کسی بھی مضمون میں ایم اے نہیں کرنا وہ قناعت پسند ہے اونچی ڈگری کی ہوس نہیں پال رکھی۔ مگر تایا ابا ایک سال سے اسے فارغ

دیکھ کر نہ جانے کیسے خاموش تھے؟ اس کے موٹے موٹے آنسوؤں سے بھی نہ پسیجے اور داخلہ کرا کر دم لیا۔ (ہٹلر نہ ہوں تو)۔

ایم اے ایجوکیشن کی کلاسز اس کے اس چھوٹے سے شہر میں پہلی مرتبہ شروع ہو رہی تھیں یہ پہلا بیچ تھا ایم اے ایجوکیشن کا اس شہر میں سو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ یہاں مخلوط کلاسز تھیں۔ آس پاس کی تحصیلوں اور قصبوں کے بھی لڑکے لڑکیاں یوں ایم اے ایجوکیشن پر جھپٹے جیسے کہ کوئی بزنس کی ڈگری ہو۔ بور مضمون ایم اے کلاسز کو پڑھانے کو ترستے پروفیسرز کے خشک اور طویل لیکچرز اور شاید پہلی مرتبہ مخلوط تعلیم کا مزا چکھتے یہ نکمے چلے کے پینڈو لڑکے۔۔۔۔ وہ پہلے سمسٹر میں ہی اوب گئی۔ شکر تھا کہ راشدہ، نصرت اور رخشی کا گروپ مل گیا، ورنہ وہ تایا ابا کے حکم پر بلڈوزر پھیرتی چھوڑ چکی ہوتی۔

☼ ☼ ☼

پورے نو بجیں پہ زکی بھائی نے اسے کالج گیٹ پہ اتارا۔ وہ برق رفتاری سے بیگ فائل سنبھالتی خود بھی اڑتی، عبایا کو بھی اڑاتی بی ایڈ سیکشن عبور کر کے اپنے سیکشن میں داخل ہوئی دائیں ہاتھ پہ پہلے کمرے میں اس کی کلاس تھی۔ پیریڈ شروع ہو چکا تھا۔ آج دوسرے سمسٹر کی کلاسز تھیں۔ جنہیں شروع ہوئے ہفتہ ہو چکا تھا۔ مگر وہ آج آئی تھی کانپتی ٹانگوں کے ساتھ وہ دروازے پہ آئی اور سامنے روسٹرم کے قریب پرنسپل کے ہمراہ کھڑی دوسری ہستی کو دیکھ کر حقیقتاً" اچھل پڑی۔

"مے آئی کم ان سر۔" پرنسپل نے تو اسے دیکھا ہی تھا۔ ساری کلاس سمیت اس نئی ہستی کی نظریں بھی اس پر اٹھ گئیں۔ آدھے نقاب میں ہونے کے باوجود محض اپنی آنکھوں سے وہ پہچان لی گئی کہ "رول نمبر دس" ہے۔

"آجایئے۔" پرنسپل کی اجازت پر وہ دھڑکتے دل اور کانپتی ٹانگوں کے ساتھ سب سے آخری رو میں بیٹھے اپنے گروپ کی طرف بڑھنے لگی۔

"رول نمبر ٹین۔ آ گئیں۔"

"چلو جی، نفری پوری ہو گئی۔" دبی دبی آوازیں تب تک گونجتی رہیں جب تک وہ بیٹھ نہیں گئی۔ پرنسپل روانہ ہو گئے تھے۔

"اتنے دن بعد کیوں آئیں؟" نصرت نے سرگوشی کی۔

"گھر میں انڈے دے رہی تھیں کیا؟" راشدہ سے کچھ ایسا نازیبا سننے کی ہی امید کی جا سکتی تھی بس۔

جواب دینے کے بجائے وہ گردن گھما کر دیکھنے لگی۔ آنکھوں کی الجھن واضح تھی۔

"یہ۔۔۔۔" بے طرح الجھن کا شکار ہوئی وہ پوچھنے ہی لگی کہ نصرت شروع ہو گئی۔

"نئے سر ہیں۔ کمپیوٹر پڑھائیں گے۔ آج ہی آئے ہیں۔ پروفیسر وغیرہ کچھ نہیں، پرنسپل نے کہیں سے برآمد کیے ہیں ہمیں اور ایم ایڈ کو پڑھانے کے لیے کیونکہ یہاں کمپیوٹر کے کوئی سر نہیں۔"

"آپ۔" دفعتاً" بھاری آواز گونجی اور نصرت کی بولتی بند ہوئی۔ حوریہ نے سبز آنکھیں سکوڑ کر دیکھا۔ بول نصرت رہی تھی اور وہ بندہ گھور اسے رہا تھا۔

"کھڑی ہو جائیں۔" نہایت سنجیدگی سے کہا گیا۔ وہ ناچار کھڑی ہوئی۔

"ایک تو آپ آئیں اتنی لیٹ اوپر سے بول کر کلاس کا ڈسپلن بھی خراب کر رہی ہیں۔" یوں کھڑا کر کے کسی پروفیسر نے کلاس نہیں لی تھی۔ جواب میں اس سے کچھ بولا ہی نہ گیا۔

"بیٹھ جایئے۔۔۔۔ مگر پلیز چپ کر کے۔" شاید اسے ترس آ گیا تھا۔ جبھی مزید کچھ سنانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ وہ خاصے خراب موڈ کے ساتھ دھپ سے بیٹھ گئی۔

"بہتر یہ ہے کہ آج کے دن صرف انٹروڈکشن ہو جائے۔ اگرچہ میں لیکچر تیار کر کے آیا ہوں۔" کہنے کے ساتھ مسکرا کر اس نے اپنی سامنے کی جیب تھپتھپائی جس میں یقیناً" لکھا ہوا لیکچر موجود ہو گا۔



"لیکن۔۔۔۔ چونکہ میں بھی آپ لوگوں کے لیے نیا ہوں اور آپ لوگ بھی میرے لیے تو تھوڑا سا تعارف ہو جائے۔"

"ضرور ضرور سر۔۔۔۔ پہلے آپ بسم اللہ کریں۔" کرم حسین کے سامنے کے دانت کچھ زیادہ چھب دکھا رہے تھے۔ گویا یہ نوجوان بلکہ ان لڑکوں کا ہم عمر سر سب کو پسند آ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔۔ پہلے میں بسم اللہ کرتا ہوں۔۔۔۔ میں عمر جہانگیر ہوں۔" کہتے ہوئے وہ سرسری سا سبز جھیل سی آنکھوں کی جانب بھی متوجہ ہوا تھا۔ حوریہ کو محسوس ہوا اس کی آنکھیں شریر ہو رہی ہیں۔

"میں نے ابھی ایم سی ایس کمپلیٹ کیا ہے اور اسی شہر میں میں نے اپنے ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ کھول رکھا ہے۔۔۔۔ پرنسپل صاحب میرے فادر کے جاننے والے ہیں۔ ان کے کہنے پر میں آپ کو یہاں پڑھانے آیا ہوں۔" تھا تو بالکل ہی عام سا تعارف مگر حوریہ نے محسوس کیا لڑکیوں نے یوں دم سادھے ہوئے تھے جیسے سانس بھی لیں گی تو ایک آدھ لفظ مس ہو جائے گا۔ اس کے بعد اسٹوڈنٹس کی باری آئی۔ لڑکیوں نے ایسے شرما شرما کر نام اور خالی رول نمبر بتائے جیسے "عمر جہانگیر" نے مستقبل کا دولہا بننا ہو اان کا۔ عمر کے پیریڈ کے بعد بھی لڑکے لڑکیوں کے موڈ خوشگوار رہے۔ نہ تو طویل لیکچرز نے بور کیا نہ میڈم ذکیہ کی ڈانٹ بری لگی چھٹی ٹائم حوریہ نے دیکھا لڑکیوں کے غول کے غول پرنسپل آفس اور اسٹاف روم کے باہر جمع ہو رہے تھے۔ مگر عمر جا چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

تائی جان کی طرف میلہ لگا ہوا تھا۔ ان کی ساری بیٹیاں آئی ہوئی تھیں۔ اسے شک ہوا جیسے مبارک باد دینے آئی ہوں۔ ایسے ہی تھیں۔ بھائی چھوٹا بڑا جو تیر مارتا بیاہی بہنیں مبارک باد مع تحائف کے دینے آ پہنچتیں۔

"اور آج تو جیسے چاند فتح کر آیا ہو۔ سب یوں خوش ہوئی بیٹھی ہیں۔" وہ ان کے بیچ سے گزرتی سوچتی گئی۔

"اے حور۔۔۔۔ ہم بھی پڑے ہیں راہوں میں۔" اسے اپنے پیچھے مینا باجی کی گنگناہٹ شکوے میں چھپی سنائی دی۔

"پتا ہے ابھی آ کر ملتی ہوں۔ پہلے مجھے دو دو ہاتھ کرنے ہیں۔" اس کا رخ جس طرف تھا سب بخوبی سمجھ گئیں کس سے دو دو ہاتھ کرنے جا رہی ہے۔ نہ دروازہ بجانے کی زحمت کی اور نہ اجازت طلب کرنے کا سلیقہ دکھایا۔ دھاڑ سے دروازہ کھول کر اندر تھی اور وہ جو آٹھ بہنوں سے نبرد آزما ہونے کے بعد تھوڑا آرام کرنے کی غرض سے آیا تھا۔ اس بدتہذیبی پر آپے سے باہر ضرور ہوتا اگر مقابل وہ نہیں کوئی اور ہوتی۔

"زہے نصیب۔۔۔۔" سبز جھیلوں سے پھنکارتے قہر کو نظر انداز کیے وہ دلفریبی سے مسکرایا۔

"تم کالج کیوں آئے تھے؟" بس نہیں چل رہا تھا اس کا مسکراتا چہرہ نوچ ڈالے۔

"پڑھانے۔" عمر جہانگیر کا اطمینان قابل دید تھا۔

"اتنے اہل تم کب سے ہو گئے۔"

"جب سے پیدا ہوا۔"

"تم میری جاسوسی کے لیے آئے تھے؟" عمر کو ہنسی آ گئی۔

"اتنا فالتو نہیں ہوں۔"

"ہو تو پڑھانے کے لیے آگئے۔"
"تم جیلس ہو رہی ہو؟" عمر کو مزا آتا تھا اسے چھیڑنے میں۔
"مائی فٹ۔۔۔ اور آج کے بعد کبھی کلاس میں میری بے عزتی کی تو انجام بہت برا ہو گا۔"
"روزلیٹ آئیں تو ضرور سناؤں گا۔"
"میں روز لیٹ نہیں ہوتی۔ آج بھی اس لیے ہوئی کہ موبی جاگ نہیں رہا تھا زکی بھائی آئے بیٹھے تھے مجھے مجبوراً ان کے ساتھ آنا پڑا جنہوں نے مجھ سے کوئی پرانی دشمنی نبھائی۔" ناچار اسے وضاحت دینی پڑی۔
"میں بھی تو تھا۔۔۔ میرے پاس آجاتیں میں وہیں تو جا رہا تھا۔"
"تمہارا احسان لیتی ہے میری جوتی۔" حوریہ نے باقاعدہ جوتی پٹخی۔ جیسے جوتی تلے عمر جہانگیر کو مسلا ہو۔ عمر کی مسکراہٹ جلتی پہ تیل ثابت ہوئی۔
"اور یاد رکھو۔" عین اس کے سامنے جا کر باقاعدہ انگلی ہلا ہلا کر غرائی۔
"اگر کسی کو بھی بتایا کہ تم میرے کون ہو تو انجام کے ذمے دار تم خود ہو گے۔"
"کزن ہوں، شوہر نہیں کہ میرے بتانے پر سارا کالج تمہیں چھیڑنے لگے۔۔۔ اور شرم کے مارے تم کالج نہ جاسکو۔"
"شٹ اپ اس سے زیادہ نہیں۔" وہ گرجی تھی۔
"مجھے تمہاری کزن ہونے پر کوئی فخر نہیں کہ میں اس کے اشتہار لگاتی پھروں۔" اس بار عمر نے محض مسکرا کر اسے دیکھنے پر اکتفا کیا۔ وہ جو اپنی بات کے بعد اس کے جواب کی منتظر تھی۔ یوں دیکھنے سے خاصی جز بز ہوتی واپسی کے لیے پلٹی۔
"بس۔۔۔ اتنا۔" عمر نے پیچھے سے کہا۔
"کوئی دفعہ، کوئی سزا۔۔۔ کچھ بھی نہیں۔" وہ پھر اس کی طرف مڑی۔
"کسی ایک کو بھی پتا چلا کہ تم میرے کزن ہو تو پھر دیکھنا۔۔۔ دفعہ بھی لگے گی اور سزا بھی ہو گی۔" ایک لفظ پر زور دے کر بولنے کے بعد آخر میں اسٹار پلس کی ہیروئن کی طرح اسے گھورا اور جھٹکے سے مڑ کر چلی گئی۔ عمر خوامخواہ ہنستا چلا گیا۔
"او۔۔۔" بیڈ پر چت لیٹ کر وہ اس کی تیکھی اداؤں کو یاد کر کر کے لطف لیتا رہا۔
"مائی ڈیئر کزن۔" ادھر باہر وہ ہال کمرے میں موجود عمر کی آٹھ بیاہی اور ایک کنواری بہن کے نرغے میں تھی۔
"عمر کے خلاف کھاتہ بند ہو گیا۔" بڑی آپا پیار سے پوچھ رہی تھیں۔
"فی الحال۔" وہ لاپروا سی بولتی زویا کے ساتھ صوفے میں دھنس گئی۔
"اور بھائی صاحب ایک دن کالج کیا پڑھا آیا آپ مبارک دینے دوڑی چلی آئیں؟" اس کا انداز مذاق اڑاتا ہوا تھا۔
"لو۔۔۔ یہ کوئی بات ہے مبارک دینے کی۔" ربیعہ آپی مصنوعی خفا ہوئیں۔
"اس سے بھی گئی گزری باتوں پر آپ آتی ہیں۔"
"یہ تو محبت ہے ہماری۔" چھوٹی آپا مسکرائیں۔
"بائے داوے تم کو کیوں لگ رہی ہے؟" زویا نے ابرو چڑھا کر دیکھا۔
"مجھ کو کیوں لگے گی۔ میں تو بتا رہی ہوں۔"
"تمہیں عمر بھائی کے بچپن کا کیسے پتا؟" زویا بھائی کے معاملے میں بہت حساس تھی۔ ابھی بھی فارم میں آگئی۔
"میرے موکلوں نے بتایا۔"
"اچھا اپنے موکلوں سے پوچھو۔۔۔ ہماری آج کی آمد کیا کہتی ہے؟" صائمہ باجی بڑی پراسرار مسکراہٹ سجا کر بولیں۔
"کیا۔۔۔ کیوں، مطلب کوئی خاص درشن ہے۔" اس نے الجھ کر آٹھوں تایا زاد بہنوں کو گھورا سب کی سب شرارت سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ زویا البتہ بے نیاز بنی بیٹھی تھی۔
"مشن نہیں میٹنگ۔۔۔ مشن اسٹارٹ ہو گا



میٹنگ کے بعد۔" مینا آپی کا لہجہ ذو معنی تھا۔ وہ کچھ دیر ہونٹ لٹکائے ایک ایک کو دیکھتی رہی سب کے تاثرات کچھ بول رہے تھے۔ کیا۔۔۔ یہ سمجھ نہیں آرہا تھا۔
"اچھا۔۔۔" تنگ آکر جمائی لیتی وہ کھڑی ہو گئی۔
"ابھی میں تھکی ہوئی ہوں۔ کالج سے آتے ہی یہاں آگئی۔ کھانا بھی نہیں کھایا۔"
"کھانا نہیں کھانا۔۔۔ بہت کچھ مزے کا پکا ہے نہ کھایا تو پچھتاؤ گی۔" کچن کی طرف جاتی زویا کی پیشکش قطعی رد کر دینے والی نہیں تھی۔ وہ پھر سے بیٹھ گئی۔ عمر کی بڑی دونوں آپاؤں سے اس کی خوب بنتی تھی۔ ایک اپنی ساس تو دوسری اپنی بہو کے جو جو قصے سناتیں۔ وہ بڑی دلچسپی سے نا صرف سنتی بلکہ اپنے مشورے بھی دیتی۔

☼ ☼ ☼

وسیع و عریض رقبہ کو گھیرے اس چار دیواری کے صرف ایک نہیں تینوں پورشنز تھے جس میں "عمر جہانگیر" کی اہمیت ایسی تھی جیسی سلطنت برطانیہ میں "شہزادہ ولیم" کی۔ وہ تایا ابا کا اکلوتا چشم و چراغ تھا۔ آٹھ بہنوں کے بعد انتہائی منتوں، مرادوں دعاؤں کے بعد ان کے آنگن کی بہار میں کیا کھلا۔۔۔ سب کی توجہ و محبت کا حق دار بلا شرکت غیرے بن گیا۔ اس کے بعد زویا کا نمبر تھا۔ یوں نو بہنوں کے بھائی کو جو اہمیت و محبت ملنی چاہیے۔۔۔ وہ اسے آج تک مل رہی تھی اور اسی بات کا "حوریہ عالمگیر" کو گلہ و غصہ تھا۔
شعور کی منزل کو پہنچنے سے بھی بہت پہلے اسے اندازہ ہو گیا تھا۔ جو عمر کی حیثیت ہے وہ کسی اور کی نہیں۔ حتی کہ ان دونوں بہنوں یعنی مونا اور حوریہ کے بعد پیدا ہونے والے محرب عرف موبی کی بھی نہیں۔۔۔ اگر دستگیر چچا کے بے چارے تینوں بیٹے نہ تو تین میں تھے نہ تیرہ میں، یاسمین چچی کو یہی تو غصہ تھا۔۔۔ انہیں وہ عزت و مرتبہ اس گھر میں دیا ہی نہ گیا جو تین بیٹوں کی ماں ہونے کی وجہ سے انہیں ملنا چاہیے تھا

۔۔۔ سونے پہ سہاگہ اس سے دگنی عزت و مرتبہ ایک صرف "عمر جہانگیر" کو پیدا کرکے تائی اماں کے حصے میں آیا تو یاسمین چچی نے اندر کی بھڑاس الگ ہو کر نکالی۔ دادی جان کی لاکھ ہائے ہائے اور دادا جان کی ہوں ہوں کے باوجود وہ دستگیر چچا کو لے کر الگ گھر جا بسیں اور ایسا دلیرانہ کام صرف وہ ہی کر سکتی تھیں۔ کیونکہ وہ دستگیر چچا کی خالصتاً "اپنی پسند کا نتیجہ" تھیں اور امی اور تائی امی سے زیادہ پڑھی لکھی، ماڈ اور صاف گو (بقول دادی کے زبان دراز اور بدلحاظ) بھی تھیں۔

یاسمین چچی کو شدید اعتراض تھا تائی کے مقابلے میں انہیں یا حوریہ کی امی یعنی عشرت کو بالکل بھی گھاس نہیں ڈالی جاتی۔ بالکل یہی اعتراض حوریہ کو تھا۔ مگر نقار خانے میں طوطی والا کردار اس کا تھا۔ وہ یاسمین چچی کی طرح اس گھر سے دور نہیں جا سکتی تھی۔ اسے بھی شکوہ تھا تائی تایا اور ان کے بچوں کو غیر ضروری اہمیت ملنے کا اس کا حل تو فی الحال کوئی نہیں تھا بول بول کر 'عمر جہانگیر کو نیچا دکھانے کا موقع ہاتھ سے نہ جانے دے کر۔۔۔ وہ اپنا غم ہلکا کرتی رہتی۔ اسے عمر کسی ولن کی طرح لگتا۔ جو موبی اور دستگیر چچا کے بیٹوں کا حق اور ان کے حصے کی محبت مار رہا تھا۔ اس کے برعکس خود موبی 'عمر کا چیلا تھا۔ یہی نہیں امی ابو اور مونا بھی عمر پہ فدا رہتے۔

☼ ☼ ☼

"اوئے۔۔۔ سر عمر آگئے۔" کسی نے اطلاع دی اور کلاس میں ہلچل مچ گئی۔ حوریہ نے دیکھا بغیر نقاب کی لڑکیاں تو میک اپ کا ڈھکا چھپا استعمال کرکے آنے ہی لگی تھیں۔ آدھی نقاب پوشوں کے بھی نین کٹارہ بننا شروع ہو گئے تھے۔ ابھی بھی کچھ نے منہ پر نزاکت سے ہاتھ اور ٹشو پھیر پھیر کر نادیدہ گرد جھاڑی تو کچھ نے عبایا اور چادریں درست کرنا شروع کر دیں۔ حوریہ کے لیے مقام حیرت ثابت ہوا۔۔۔ اس کی سہیلی راشدہ بھی نک سک سے تیار ہونے لگی تھی اور تو اور اس کے گروپ کی رخشی کے بھی گال تمتمانے لگے تھے۔

"سب کی سب پاگل ہو گئی ہیں۔" حوریہ کا دل برا ہونے لگا۔

"بات سنو۔۔۔ میری آئی بروز ٹھیک بنی ہوئی ہیں۔" نصرت نے اس کا کندھا ہلا کر اپنی طرف موڑا۔

"تم بھی؟" حوریہ کو غش آگیا۔ اپنے گروپ میں ایک وہ اور ایک نصرت نقاب کرتی تھیں۔ رخشی اور راشدہ صرف بڑی چادریں لے کر آتی تھیں۔ اس کی طرح نصرت بھی سادہ اور فیشن کے معاملے میں کم علم سی تھی اور آج اس کو بھی فکریں ہو رہی تھیں۔

"ہاں ٹھیک لگ رہی ہیں۔ بالکل سعدیہ امام جیسی۔" اس نے جل کر کہا اور سامنے متوجہ ہوئی جہاں عمر جہانگیر تشریف لا چکے تھے۔ آج اس نے سفید کرتا شلوار پہن رکھا تھا۔ کرتے پہ ہاتھ کی کڑھائی مینا باجی نے خود کی تھی۔ وقت وقت کی بات ہے بچپن میں ایسے کپڑے پہننے پر وہ زمین آسمان ایک کر دیا کرتا تھا اور اب فرمائش کر کر کے بنواتا۔

"تم اپنی بھنوؤں کا جنگل بھی کاٹ آتیں۔۔۔ بالکل سلطان راہی مرحوم جیسی لگ رہی ہیں۔"

"لگنے دو۔۔۔ میں نے کس کو دکھانا ہے۔" راشدہ کے کہنے پر اس نے بے طرح برا مان کر جواب دیا۔

"ہم نے تو دیکھنی ہیں۔۔۔ شک سا ہونے لگتا ہے حوریہ کے بجائے نقاب میں کرم حسین نہ ہو۔" راشدہ نے کچھ یوں خوف کھا کر کہا کہ اس کی ہنسی چھوٹ گئی اور عین اسی لمحے عمر نے اسے دیکھا تھا۔

"آپ رول نمبر ٹین۔۔۔" ساری کلاس نے گردنیں موڑ کر پیچھے دیکھا۔ حوریہ کا بس نہیں چلا جا کر تین کرارے سے تھپڑ تو عمر کو ضرور ہی جڑ آئے۔

"سر میں نہیں بول رہی تھی۔" وہ منمنائی۔

"آپ یہاں آکر بیٹھیں۔" عمر نے سختی سے حکم دیتے ہوئے اپنے عین سامنے بیٹھی رول نمبر سیون کی چیئر کی طرف اشارہ کیا۔

"سر اب نہیں بولیں گے۔" راشدہ نے اس کے برعکس خاصے اعتماد کے ساتھ باچھیں چیر کر زور سے کہا۔



"ہو ہی نہیں سکتا۔۔۔ آپ چاروں کا الگ الگ بیٹھنا ہی ٹھیک ہے۔"

"سر آپ کو صرف ہم کیوں نظر آتے ہیں۔ کلاس میں باقی بھی باتیں کر رہے ہوتے ہیں۔" رخشی نے حسب عادت جارحانہ لہجہ اپنایا۔

"اور آپ بھی پلیز لیکچر شروع کریں۔ آدھا پیریڈ باتوں میں گزارتے ہیں۔" عمر کے ماتھے پر واضح تیوری بنی تھی۔

رخشی ان کے گروپ کی منہ پھٹ اور تیز مزاج لڑکی تھی۔ رخشی اور راشدہ کسی زمانے ایک ساتھ اسکول و کالج میں پڑھتی تھیں۔ پھر راشدہ کی شادی ہو گئی تو اس نے تعلیمی سلسلہ پرائیویٹ جاری رکھا اور رخشی پنجاب یونیورسٹی سے ایم ایس سی فزکس کے بعد اب ایم اے ایجوکیشن میں بھی آگئی۔ رخشی اور راشدہ اچھی خاصی عمر کی تھیں۔ 26 سال سے بھی زیادہ کی اور یہ عمر راشدہ سے زیادہ رخشی کے منہ پر لکھی تھی۔ مگر وہ خود کو بتاتی چوبیس کا تھی۔ اس کلاس میں اکثریت بڑی عمر کے لڑکے لڑکیوں کی تھی جنہیں بی اے، بی ایڈ کیے بھی کچھ سال گزر چکے تھے۔ یا پھر ایک کے بعد دوسرا ایم اے کرنے آئے تھے۔ حوریہ اور نصرت کے بعد اکا دکا اور تھے جنہیں بی اے کیے ایک سال ہو چکا تھا۔ کچھ تھے جو فریش گریجویٹ تھے اور یہ صرف لڑکیاں تھیں۔ بہرحال۔۔۔ حوریہ پر انکشاف ہوا عمر جہانگیر اگر بہت سی لڑکیوں کا فیورٹ ہے تو رخشی کے لیے بالکل ناپسندیدہ ہے۔

☼ ☼ ☼

دو بجے کے قریب زمانے بھر کی تھکاوٹ سوار کیے وہ کالج سے واپس آئی تو لاؤنج میں ہی عمر سے ٹاکرا ہو گیا۔ وہ فلور کشن پہ بیٹھا تھا اور دادی صوفے پر بیٹھی اس کے بالوں میں مساج کر رہی تھیں۔ یکایک تھکاوٹ پر جھنجھلاہٹ غالب ہوئی۔

"میں نے سوچا۔" عمر نے اس کے تاثرات سے حظ اٹھا کر مسکراتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

"آج میں نے کالج میں تمہاری کلاس لی۔۔۔ واپس آکر تم میری لو گی۔ بجائے میرے پورشن میں آنے کی زحمت کرو میں خود یہاں آکر بیٹھ گیا۔۔۔ تمہارے حضور پیش ہونے کے لیے۔" حوریہ نے اس کے آخری جملے پر غور ہی نہیں کیا۔ اس کی آنکھیں تو عمر کی گود میں رکھی پلیٹ پر تھیں۔ جس میں موجود تین کباب میں سے ایک وہ کھا چکا تھا، ایک کھا رہا تھا اور باقی ایک بچا تھا۔ اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

"لو یہ کوئی بات ہوئی بھلا عمر بھی اسی کالج جاتا ہے۔ جہاں تم پڑھتی ہو۔ پھر موبی کے ساتھ آنے جانے کی کیا ضرورت ہے۔ بچہ اس آخری کونے میں تمہاری خاطر آتا جاتا ہے۔ نہ جانے کتنے روڈوں سے گزرتا ہو گا۔۔۔ ایسی اللہ ماری سواری ہے سارا دن ہولتی رہتی ہوں جب تک آ نہیں جاتا۔ بس میں کہہ رہی ہوں آئندہ عمر کے ساتھ آیا جایا کر۔"

"امی۔۔۔" عمر کی پلیٹ میں آخری کباب کسی بھی وقت اس کے پیٹ میں جا سکتا تھا۔ دادی کیا کہہ رہی تھیں اس نے کہاں سنا تھا۔ اس کے تو کان سائیں سائیں کر رہے تھے اپنی چیز کسی اور کے پیٹ میں جاتا دیکھ کر۔

"کیا ہوا۔۔۔ کیا ہوا۔" اتنی زور سے وہ چیخی تھی امی بدحواس سی بھاگی آئیں۔ اس کی آنکھیں لبالب بھری تھیں۔

"میرے کباب۔۔۔" اس نے ایک سسکاری کے ساتھ کہا۔ عمر نے فی الفور تیسرے کباب کو پلیٹ میں رکھا تھا۔

"آ۔۔۔ وہ۔" امی بے چاری بری طرح سے شرمندہ ہوئیں۔ تین کبابوں کی خاطر ناک کٹنے لگی تھی۔

"عمر تم کھاؤ۔۔۔ کھاؤ نا بیٹا۔" اسے تگڑی سی گھوری دے کر امی نے ساکت بیٹھے عمر کو پکار کر کہا۔

"میں کھانا نہیں کھاؤں گی۔ کچھ بھی نہیں کھاؤں گی۔" نا انصافی سی نا انصافی تھی۔ اس کے موٹے موٹے آنسو بہہ نکلے۔

"نہ کھانا کبھی نہ کھانا اور جاؤ اب یہاں سے۔" امی کو اس کی بچکانہ ضد ہمیشہ غصہ دلا دیا کرتی تھی۔

"عمر بھائی۔" موبی نے ہونق بنے عمر کے آگے ہاتھ لہرا کر قہقہہ لگایا۔

"پریشان مت ہوں یہ ہمارے گھر کے روز کے سین ہیں۔"

"ہاں یار یہ میں تو بے قصور ہوں۔"

"نہیں نا.... یہ جو تین کباب آپ کو آج پیش کیے گئے یہ ان محترمہ کے تھے انہوں نے باقاعدہ اپنے نام کی چٹ بنا کر اس پلیٹ میں رکھی ہوئی تھی کہ جب بھی تلے جائیں۔ انہی کے لیے تلے جائیں.... مگر یہ آج آپ کا نصیب بن گئے۔" موبی کی بتائی گئی تفصیل پر دل تو چاہ رہا تھا زوردار قہقہہ لگا کر رد عمل دکھائے مگر سامنے بن بادل برسات ہو رہی تھی۔ سو اس نے حوریہ کو دیکھ کر.... بے چارگی سے کندھے اچکانے پر اکتفا کیا۔

"عمر بیٹا تم چھوڑو اس کو کباب کھاؤ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ اس کے تو روز کے تماشے ہیں۔"

"چاچی آپ نے الاٹ شدہ کباب مجھے کھلا دیے .... یہ تو سراسر ظلم بلکہ گناہ ہوا۔"

"ہمارے گھر میں یہ گناہ چلتے رہتے ہیں۔" موبی نے پھر انٹری ماری۔

"اور بجو تو اپنی عادتوں میں ایک ہیں پھلوں پر بھی اپنا نام لکھ کر رکھیں گی۔ فریج کھول کر دیکھیں.... آپ کو اکثر آئیٹمز پہ حوریہ لکھا نظر آئے گا۔" اس بار عمر اپنے قہقہے کو نہیں روک پایا۔

"حیرت ہے مجھے پہلے کیوں نہیں پتا چلا۔" اس نے باقاعدہ سر کھجا کر گویا اپنی کم علمی پہ افسوس کیا۔ برسات چھاجوں چھاج برسنے لگی۔

"اور زیادہ مزے کی بات ہمیشہ ان کے نام والی چیز امی اور مونا آپی اٹھائیں گی.... اور الزام لگتا ہے میرے سر۔"

"موبی تم بند کرو اپنی راگنی عمر کو کھانے دو۔" چچی نے لگتا تھا آج کبابوں پر دم کر رکھا تھا۔ سارے کباب عمر کو کھلانے کے درپے تھیں۔

"آ.... " عمر نے کن انکھیوں سے حوریہ کو دیکھا وہ کھانے کو آ رہی تھی۔

"بس چچی.... آپ کی بیٹی اتنی بری بری نظروں سے گھور رہی ہے۔ مجھے لگتا ہے جو کھایا اس سے بھی پیٹ میں درد نہ ہو جائے۔ ویسے بھی آپ گواہ ہو میں نے لاعلمی میں یہ کھائے۔ مجھے پتا ہوتا ان پر مہر لگی ہوئی ہے میں کبھی نہ کھاتا۔" وہ کھڑا ہو گیا تھا۔ بڑی مسکین و معصوم نظروں سے حوریہ کو دیکھنے کے بعد قدم آگے بڑھا دیے۔ یہ حوریہ کا دل جانتا تھا عمر کی نظروں میں شوخی و شرارت کا جہاں آباد تھا۔

"یہ کباب اسپیشلی تمہارے لیے بچایا۔ ورنہ یہ بھی کھا جاتا۔ اچھا ہے ناں ہم مل بانٹ کر کھائیں۔ محبت بڑھتی ہے۔" اس کے بالکل قریب سے گزرتے ہوئے رک کر عمر نے سرگوشی میں کہا۔ حوریہ سر تاپا جھلس گئی۔ جھپٹ کر کباب کی پلیٹ اٹھائی، کباب اٹھا کر باقاعدہ مسل کر ڈسٹ بن میں پھینک دیا۔ امی اور دادی ہائے ہائے کرتی رہ گئیں۔ وہ خونخوار نظروں سے عمر کو گھورتی اپنے کمرے کی طرف بھاگ گئی۔ عمر دل ہی دل میں محبوب کی ان سرکش اداؤں پر قربان ہوتا دادی اور امی کو ٹھنڈا کرنے لگا۔

☆ ☆ ☆

"یہ کوئی تک ہے بھلا۔" وہ چاروں بی ایڈ کی بلڈنگ میں چاول چھولے کھانے میں مصروف تھیں جب رخشی نے حسب عادت نکتہ اعتراض اٹھایا۔ بی ایڈ اور ایم اے، ایم ایڈ کی عمارت کے بیچ ایک دروازہ تھا۔ بی ایڈ کی لڑکیوں اور لڑکوں کی الگ الگ کلاسز ہوتی تھیں۔ بریک ٹائم ایم اے سائیڈ کی لڑکیاں یہاں آجاتیں۔ جہاں کینٹین بھی تھی اور اگر کینٹین کا کھانے کو دل نہ کر رہا ہو تو.... بیرونی گیٹ کراس کر کے واک کا مزا لیتے ہوئے گنے کا جوس، ملک شیک جیسی



عیاشی سے بھی دل بہلا لیا جاتا۔ اس معاملے میں وہ چاروں زیادہ لوفر تھیں۔ بلاناغہ باہر جاتیں اور اگلے روڈ کھڑے ریڑھی والے سے چاول چھولے لے کر کالج آکر کھاتیں۔

"خیر کی بات نہیں ہو گی لکھ لو۔" رخشی کے نکتہ اعتراض کے بعد راشدہ نے حوریہ نے کان میں منہ گھسیڑا۔ وہ مسکرا دی۔

"ایم اے کے اسٹوڈنٹس کو پڑھانے کے لیے "بلونگڑا" لے آئے۔ جسے خود ایم اے ہوئے جمعہ جمعہ آٹھ دن بھی نہیں ہوئے۔ بلکہ پتا نہیں ایم اے ہے بھی یا نہیں۔" رخشی کی توپ آج عمر جہانگیر کی طرف تھی۔ حوریہ چپ چاپ کھاتی رہی۔

"اب تم اس کے مقابلے میں بہت بڑی نظر آؤ تو اس کا کیا قصور؟" راشدہ مذاق مذاق میں بھی دم پر پاؤں رکھ لیتی۔

"بکواس نہ کرو۔" رخشی کو آگ لگ گئی۔

"خود کو تو دیکھو۔ اماں لگتی ہو۔"

"لگتی ہوں کیا مطلب.... میں ہوں اماں بڑی بیٹی سات سال کی چھوٹی چار کی ہے۔ کیوں چھپاؤں۔"

"اچھا بس.... اب بال نہ کھینچ لینا ایک دوسرے کے۔" حوریہ کو امن کا سفیر بننا پڑا۔

"تم کیوں سر عمر کے پیچھے پڑی ہو؟ اتنا تو اچھا لیکچر دیتے ہیں۔" نصرت بھی "متاثرین عمر" میں سے تھی مگر ایک حد تک۔

"بہت برا لگتا ہے مجھے۔" یہ حوریہ کے بھی دل کی آواز تھی۔ مگر اس وقت نہ جانے کیوں رخشی کے یوں کہنے پر دل کراہا۔

"کیوں تمہیں چھیڑا ہے اس نے؟" راشدہ کے سنجیدگی سے کہنے پر رخشی پھر بلبلائی۔

"مجھے لگتا ہے جیسے وہ پڑھاتا کم ہے مذاق زیادہ اڑاتا ہے۔ ہماری کالج کی بلڈنگ سے لے کر.... ہر چیز پر ہنستا نظر آتا ہے۔"

"ہمارے سامنے تو کبھی نہیں ہنسا۔" نصرت نے ناک پونچھی، مرچ مسالوں کی تعداد چاولوں سے زیادہ تھی۔ ناک اور آنکھوں کا کام تمام ہو رہا تھا۔

"جیسے خود آکسفورڈ سے پڑھ کر آیا ہو۔ مجھے تو لگتا ہے پنجاب یونیورسٹی کا بھی جھوٹ بولتا ہے۔ ہو گا کسی عام سی یونیورسٹی کا فارغ شدہ۔"

"نہیں پنجاب یونیورسٹی سے ہی پڑھا ہے۔" حوریہ نے بے ساختہ یہ کہا اور فوراً زبان دانتوں میں دبا لی۔

"تمہیں کیسے پتا؟" رخشی نے تیز نظروں کے ساتھ اسے دیکھا۔

"وہ...." وہ بری طرح سے پریشان ہوئی۔

"ایک بار خود کلاس میں بتا رہا.... رہے تھے سر۔"

"ہاں بتا رہے تھے میں بھی آئی تھی اس دن۔" اس کی مشکل نصرت کی تائید نے حل کر دی۔ ورنہ آج رخشی نے بال کی کھال اتارنی تھی۔

"خیر جو بھی ہو۔ میں پرنسپل سے کہتی ہوں۔ ہمیں بلونگڑے سے نہیں پڑھنا۔" اس بار صحیح معنوں میں حوریہ کو رخشی کا بلونگڑا کہنا کھلا.... وکالت میں راشدہ یا نصرت ضرور بولتیں اگر بیل نہ بج جاتی۔

"چلو.... سر چنگیز خان کا پیریڈ ہے بریک کے بعد ٹائم پہ نہ گئے تو کلاس میں داخل بھی نہیں ہونے دیں گے۔" راشدہ، نصرت اور رخشی کھڑی ہو گئی تھیں۔ وہ نہ جانے کس بات کے زیر اثر چپ چپ سی بیٹھی رہی۔

☆ ☆ ☆

اتوار کی شام یاسمین چچی کی آمد ہو گئی۔ حسب معمول وہ خالی ہاتھ نہیں تھیں۔ حوریہ کا پسندیدہ کیک اور دادی کے لیے موسمی پھلوں کے علاوہ مٹھائی کا ایک بڑا سا ڈبا بھی تھا۔ حوریہ اور دادی دونوں ہی کھلی پڑی تھیں۔ البتہ امی کا وہی لیا دیا سا انداز جو خاص صرف یاسمین چچی کے لیے ہی ہوتا۔

"اتنا دل کر رہا تھا تم لوگوں سے ملنے کا۔" چچی نزاکت و نفاست سے الفاظ کا استعمال کرتی تھیں۔

"تو آ کیوں نہیں گئیں؟" حوریہ امی کی نظروں سے

بے پروا لاڈ جتاتے تھک نہیں رہی تھی۔

"ہر بار میں ہی آؤں...... تم لوگ خود نہیں آسکتے؟" یہاں حوریہ کو گڑبڑانا پڑا۔

"اسی سے پتا چلتا ہے خلوص و محبت کا' میرے لیے' میرے بچوں کے لیے ذرا سا بھی پیار ہوتا تو......"

"اب ایسی بھی بات نہیں ہے بھابھی...... آپ جانتی تو ہیں گھر کے سو بکھیڑے ہوتے ہیں۔ کہیں جانے کے لیے سو سو بار سوچنا پڑتا ہے۔"

"بس بھی کرو عشرت تم اور تمہارے بکھیڑے۔" چچی سے بحث فضول ہوتی۔ انہوں نے اپنی بات پر قائم رہنا تھا۔ امی ہی چپ ہو گئیں۔

"حورا...... تم آؤ ذرا۔" کچن میں جانے کے لیے انہیں تو حوریہ کو...... آنکھیں دکھا کر اٹھنے کا سگنل دیا۔

"آتی ہوں امی' دو منٹ۔" اور یہ تو امی جانتی تھیں اس کے یہ دو منٹ چچی کی واپسی تک ختم نہیں ہونے تھے۔ دانت کچکچاتی وہ کچن میں آگئیں۔ چچی کی سیوا کا اہتمام انہیں اکیلے ہی کرنا تھا۔

"عشرت میرے لیے زیادہ کچھ کرنے کی ضرورت نہیں' میں رات کا کھانا چھوڑ چکی ہوں آج کل صرف دودھ لیتی ہوں۔" حوریہ نے رشک سے ان کے سانچے میں ڈھلے سراپے کو دیکھا۔ اس کی امی سے وہ اچھی خاصی بڑی تھیں۔ مگر کہیں سے بھی نہیں لگتی تھیں۔ حوریہ اچھی خاصی فدا تھی ان پر۔

"میں جانتی ہوں ایک میری یہ پیاری سی چھوٹی سی گڑیا ہے حورا جس کا دل اپنی چچی کی محبت سے بھرا ہے۔ ورنہ سب کا رویہ بتاتا ہے کون کتنا مخلص ہے۔ سچی بات کڑوی ہوتی ہے۔ میں غیر تھی آج تک غیر ہی رہی نہ کسی نے اپنا سمجھا' نہ اپنا بنایا۔"

"تو آپ خود کب بنیں اپنی۔" اندر کچن میں امی کا دل جل رہا تھا۔ گویا یاسمین چچی نے چولھے پہ رکھ دیا ہو۔

"یہی رویہ میرے بچوں کے ساتھ بھی ہے۔ ارے میں غیر ہوں وہ تو اپنا خون ہیں۔"

"یاسمین ایسا کیوں سوچتی ہو...... بھلا اپنے۔" دادی کی منمناہٹ چچی کہاں سننے والی تھیں۔

"رہنے دیں اماں جان' آپ تو چپ ہی رہیں۔ آپ ہی ہیں اصل استاد' عمر...... عمر...... عمر بس عمر کر کر کے بس عمر کو ہی دے جائیے گا مال اسباب' میں نے تو اپنے بیٹوں کو سڑک سے اٹھایا تھا نا۔"

"اللہ نہ کرے یاسمین۔" دادی کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

"آپ کے لیے تو جو ہیں جہانگیر بھائی ہیں' ان کی آل اولاد ہے۔ باقی دونوں بیٹے لگے رہیں دیوار سے۔ عشرت کا جگر ہے برداشت کر رہی ہے۔ میں تو اس ناانصافی پہ چپ نہیں رہنے والی جب تک زندہ ہوں بولوں گی۔"

"آپ بھی بھابھی کمال کرتی ہیں۔" یہ سوچ کر کہ دادی دار مسہہ نہیں پائیں گی۔ امی کچن سے باہر آگئیں مددگار بنی۔

"بھلا اولاد میں بھی فرق کرتا ہے کوئی...... دونوں آنکھیں پیاری ہوتی ہیں دونوں ضروری ہوتی ہیں۔"

"کم سے کم ہمارے یہاں یہ معاملہ نہیں۔" یاسمین چچی نخوت سے بولیں۔

"بھلا گڑ بھی کہیں سے کڑوا لگتا ہے؟" دادی آزردہ سی ہو گئیں۔

"ہونہہ۔" چچی نے استہزائیہ ہنکارا بھرا۔

"وہ سب کہتی کیوں ہیں آپ...... جن پر عمل نہیں کرتیں۔" ماحول ویسا ہی بن گیا تھا جیسا یاسمین چچی یا ان کے گھر کے کسی فرد کی آمد پر بن جایا کرتا تھا۔ کشیدہ اور کبیدہ' حوریہ چپکے سے کھسک آئی۔ کچن میں جھانکا وہاں موبی مٹھائی کے ڈبے پر اپنے نام کی چٹ لگا کر فریج میں رکھ رہا تھا۔

"ہوں...... ہماری گولی ہم ہی پر۔" حوریہ خوب بدمزا ہوئی۔

"یہ صرف میرا ہے۔" موبی نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

"ایک گلاب جامن دینا۔"

"اس صورت میں جب آپ کیک دیں گی۔" موبی



فریج میں کیک کے ڈبے پر لکھا لفظ حوریہ دیکھ کر بولا۔ بڑی کوئنگ سروس دکھائی تھی حوریہ نے اس ڈبے کو اپنی کسٹڈی میں لینے کے لیے۔

"بدتمیز' گستاخ' بڑی بہن سے لین دین کرتا ہے۔" اس نے نتھنے پھلا کر غیرت دلانی چاہی۔

"جہاں فائدہ ملتا ہو۔ وہاں کیا بڑا کیا چھوٹا؟" موبی نے کندھے اچکائے۔ وہ ہونٹ بھینچے اسے گھورتی رہی۔

"جائیے...... آپ کی فیورٹ چچی کی گاڑی لینے آگئی انہیں' ہارن بج رہا ہے۔"

"تم اکیلے گلاب جامن نہیں کھاؤ گے۔" جانے سے پہلے اس نے تنبیہہ کرنا ضروری سمجھا۔

"اکیلا کہاں میں عمر بھائی کے ساتھ کھاؤں گا۔" عمر چکا وہ الٹے پاؤں پلٹی۔

"یہ مٹھائی چچی ہمارے لیے لائی ہیں۔ اس نواب زادے کے لیے نہیں' ایسے پچاس ڈبے ہمارے پیٹ پر لات مار کے وہ ہر مہینہ کھا سکتا ہے۔ ہمیں یہ کبھی کبھی نصیب ہوتا ہے۔ خبردار جو تم نے اس مٹھائی کا ایک پیس بھی اسے کھلایا تو...... میں تمہارے نام کا لحاظ کیے بغیر اسے فریج سے اٹھا لوں گی۔" وہ بلبلا رہی تھی۔

"یہی حال میں آپ کے کیک کے ساتھ کروں گا۔"

"تم...... میں۔" مارے غصے کے اس سے اور کچھ بولا ہی نہ گیا۔ تبھی امی کی پکاریں شروع ہو گئیں۔

"حور...... آؤ...... تمہاری چچی جا رہی ہیں۔"

"تم...... تم جنم میں بھی عمر کے ساتھ جانا۔" دانت پیس کر کہتی وہ جلتی بھنتی وہاں سے گئی۔ موبی دیر تک ہنستا رہا۔

چچی لوگوں کے پاس پہنچی تو وہاں انوکھی بحث چھڑی تھی۔ چچی اسے ایک دن کے لیے ساتھ لے جانے پر بضد تھیں اور امی نہ نہ کیے جا رہی تھیں۔ وہ پہلے تو ہونق سی دونوں کو دیکھتی رہی۔ پھر جب چچی کا والہانہ پیار' دوستانہ لہجہ اور ان کے لمبے چوڑے بنگلے نے دماغ میں چھب دکھائی تو چھوٹتے ہی بولی۔

"امی میں چلی جاتی ہوں۔"

"میں صدقے۔" چچی نے فوراً گلے سے لگا لیا۔ امی کی آنکھیں پھیلنے لگیں۔

"پاگل ہو گئی ہو۔" حسب عادت آنکھوں کی زبانی حوریہ کو باز رہنے کی تلقین کی مگر وہ انجان بنی چچی سے اور زیادہ چمٹ گئی۔

"حال دیکھو اپنی ماں کا سگے چچا کے گھر جانے پر بیٹی کو آنکھیں دکھا رہی ہے۔ جیسے وہ کوئی گناہ کرنے جا رہی ہو۔" ذرا بھی لحاظ کیے بنا چچی نے امی کی چوری پکڑ کر واشگاف کہا تو ان پر منوں پانی پڑ گیا۔

"نہیں نہیں بھابھی کیسی باتیں کرتی ہیں۔ میں تو اس کی وجہ سے کہہ رہی تھی۔ پڑھائی اور پھر اس کے ابو جی گھر پہ نہیں۔"

"پڑھائی کی فکر نہ کریں۔ وہ ہو جائے گی اور ابو سے تو میں ابھی پوچھ لیتی ہوں۔" امی اچھی خاصی مصیبت میں پڑ گئیں۔ بے شک چچا کا گھر تھا مگر یوں حوریہ کا جا کر رہنا۔

ان کا دل نہیں مان رہا تھا۔ ان کے ایک نہ دو پورے تین بیٹے تھے۔ وہ بے بسی سے کبھی حوریہ کو تو کبھی دادی کو دیکھنے لگیں۔ دل تو کر رہا تھا یاسمین چچی کا لحاظ کیے بنا چٹیا سے پکڑ کر حوریہ کو گھما ڈالیں۔ جو اس وقت ننھی بچی بنی چچی کے گلے سے لٹکتی جا رہی تھی اور دانستہ ماں کو دیکھنے سے گریز کر رہی تھی۔ دوسری طرف دادی بھی امی کی پریشانی سے آگاہ تھیں۔ ایک سال قبل خود سے کیا عہد کہ دستگیر کے گھر جا کر کبھی رہوں گی نہیں بھلا کر حوریہ کے ساتھ خود بھی چلی جاتیں۔ مگر ایک تو یاسمین چچی کو مزید موقع مل جاتا خود کو مظلوم اور ان کو غیریت کا طعنہ دینے کا۔ دوسرے یاسمین چچی دادی کو کبھی روکھے منہ بھی پیشکش نہیں کرتی تھیں اپنے گھر آکر رہنے کے لیے جیسے کہ ابھی بھی وہ کہہ سکتی تھیں کہ حوریہ کے ساتھ آپ بھی چلی چلیں۔ لیکن ان کا اصرار صرف اور صرف حوریہ کو لے جانے پر تھا سو دادی چپکی رہیں۔ ایک سال قبل تک ایسے حالات نہیں تھے۔ گو کہ تب بھی دستگیر چچا اور یاسمین چچی کے

دلوں میں دادی کے لیے محبت کے سوتے نہیں پھوٹتے تھے لیکن دادی بیٹے کی محبت میں ایسی ڈوبیں کہ ان کے سرد و بے نیاز رویوں و لہجوں کی پروا کیے بغیر جب دل چاہتا ڈھیٹ بنی نا صرف دستگیر چچا کے گھر چلی جاتیں بلکہ کئی کئی دن رہ بھی آتیں۔ حالانکہ چچا بھی خالصتاً "زنانہ" شکایتوں سے انہیں ہر چکر پہ زچ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ نہ جانے دیتے تھے جہانگیر بھائی اور عالمگیر سے وہ زیادہ محبت کرتی ہیں۔ انہیں کسی کھاتے میں نہیں سمجھتیں۔ سوتیلوں سے بڑھ کر ان سے سلوک کرتی ہیں۔ دادی اولاد کی محبت کے ہاتھوں مجبور یہ باتیں سہہ جاتیں۔ مگر آخری چکر پہ چچا چچی نے حد ہی کر دی۔ رشتوں کے معاملے پر بات ہوئی کہ جہانگیر تایا اپنی چھوٹی زویا کا رشتہ چچا کے رافع کو کیوں نہیں دے رہے اور دادی اس سلسلے میں کیوں نہیں ان کی سائیڈ لے رہیں۔ بات بڑھتے بڑھتے اتنی بڑھی کہ دادی رونے تک آ گئیں۔ چچا اور چچی کو پھر بھی ترس نہیں آیا برابر سناتے رہے۔ یہاں تک کہ روتی ہوئی دادی نے خود فون کر کے عمر کو بلوایا اور بڑے بھاری دل کے ساتھ واپس حوریہ لوگوں کے گھر آ گئیں۔ جو تین، چار دن دستگیر چچا کے گھر رہنے کے لیے جاتی تھیں۔ وہ بھی چھوڑ دیا اور اس کے بعد چچی تو دور کی بات خود چچا نے بھی کہا نہیں کہ ہمارے گھر آ کر رہیں۔ ایسے میں دادی کیسے کہہ دیتیں کہ وہ حوریہ کے ساتھ چلتی ہیں۔ اس شام یاسمین چچی حوریہ کو لے کر ہی ٹلیں۔

☼ ☼ ☼

رات کے گیارہ بجنے میں ابھی کچھ منٹ باقی تھے جب اسے موبی کا میسج موصول ہوا۔

"عمر بھائی.... میں آؤں یا آپ آتے ہیں؟" عمر بے ساختہ کراہ کر رہ گیا۔ دو دن سے وہ بابا اور چچا عالمگیر کے ہمراہ اپنی زمینوں پر تھا۔ ابھی ایک گھنٹے پہلے تینوں کی واپسی ہوئی تھی اور تھکن اس قدر حاوی کہ وہ بس سونا ہی چاہتا تھا۔ مگر موبی کے میسج کے بعد ارادہ بدلنا پڑا۔

"میں آتا ہوں۔" موبی کو جواب میں لکھا اور بالوں میں انگلیاں چلانے کے بعد آئینے میں حلیہ دیکھا۔ آنکھیں لال اور کسی حد تک سوجی ہوئی اور شکل پہ ایک عالم کی تھکن طاری.... یوں لگ رہا تھا جیسے زمینوں کا جائزہ لینے اور حد بندی کرنے کے بجائے وہ ان میں ہل چلا کر آیا ہو۔

"بابا مجھے کسان بنا کر ہی چھوڑیں گے۔ انہیں میں بزنس کرتا اچھا نہیں لگتا۔" شکل پہ **مسکینیت** سجاتا، اپنے آپ سے الجھتا وہ کمرے سے باہر نکل کر چچا کے پورشن کی طرف رواں ہوا۔ جس کے بیچ میں ایک باڑ حائل تھی۔

"عمر بھائی.... آپ بے وفا ہوتے جا رہے ہیں۔" چچا کے پورشن میں خاموشی حکمراں بنی ہوئی تھی۔ موبی اس کے استقبال کے لیے لاؤنج کے بیرونی دروازے پہ منہ بسورے کھڑا تھا۔

"یار جھوٹ مت بولو۔" موبی کی معیت میں اس کے کمرے کی طرف جاتے جاتے اس نے سماعتوں کو کچن اور اس دشمن جان کے کمرے کی طرف لگائے رکھا۔ مگر دونوں علاقوں میں خاموشی کا راج محسوس ہوا۔

"آج اتنی جلدی سو گئی؟" ہونٹ سکوڑتے ہوئے وہ دل ہی دل میں مایوس ہوا۔ سچ تو یہ تھا وہ اس وقت موبی کے بلاوے پر ہر تھکن پس پشت ڈالے صرف اس لیے دوڑا چلا آیا کہ حوریہ نظر آ جائے گی.... کچھ الجھے گی، کچھ جھگڑے گی اور اس بے وجہ کے ٹاکرے میں وہ ضرور بشاش ہو جائے گا۔ ایسا عموماً ہوتا تھا۔ کبھی موبی اس کے یہاں تو کبھی وہ موبی کے یہاں اس وقت موجود ہوتا، کیرم، تاش اور نہیں تو کوئی مووی ہی دیکھ لی جاتی حوریہ اس دوران جلے پیر کی بلی بنی موبی کے کمرے کے باہر اور لاؤنج میں چکراتی رہتی۔ اسے فیل ہونے کے ڈراوے دیتی، ابو کو بتانے کی دھمکیاں الاپتی اور انت میں نزلہ عمر پر گرتا کہ وہ موبی کو خراب کرتا ہے۔ اس میں اس کی توجو توانائی ضائع ہوتی سو ہوتی۔ عمر کو نامحسوس انداز میں اپنا آپ ہلکا پھلکا اور دنیا رنگین محسوس ہونے لگتی۔ اس رنگینی کا لطف اٹھانے وہ ابھی بھی کشاں کشاں آیا تھا۔

"یہ کس خوشی میں؟" موبی نے مٹھائی کا ڈبا سامنے رکھا تو عمر مشکوک ہوا۔

"تمہارا رشتہ طے ہو گیا؟" رس گلا اٹھاتے ہوئے عمر نے پھلجھڑی بھی چھوڑی۔

"عمر بھائی۔" موبی اس سے زیادہ شرمایا۔ جتنی اس کو شرم آئی تھی۔ عمر خاموشی سے رس گلا کھاتا رہا۔

"عمر بھائی آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔" بغور عمر کا جائزہ لینے کے بعد موبی پہ انکشاف ہوا تو اسے تشویش لاحق ہوئی۔

"ٹھیک ہوں یار.... دو دن سے نیند نہیں نصیب ہوئی۔" عمر نے کسلمندی سے کہا اور بیڈ پر دراز ہو گیا۔

"یہ جو دو اولڈ مین میرے ساتھ تھے۔" عمر کا اشارہ اپنے بابا اور موبی کے ابا کی طرف تھا۔

"دن کو تو بے سکون رکھتے ہی تھے۔ رات کو بھی سونے کے دشمن بن جاتے۔ ساری ساری رات قسم قسم کے لوگوں کے بیچ وڈیرے بنے خود تو بیٹھتے مجھے بھی بٹھائے رکھتے۔"

"تھینک گاڈ، میں اس برڈن سے آزاد ہوں۔" موبی نے باقاعدہ شکر پڑھا تھا۔

"زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس دفعہ ہم زمینوں کا حصہ کرنے کے خیال سے گئے تھے۔ اپنے حصے کی زمین تم خود سنبھالنا اور چچا ——— بھی خود اگائیں خود کاشت کریں۔" عمر کا اشارہ اب کے دستگیر چچا کی طرف تھا۔

"میرے بابا کی جان بخشی ہو۔ سارے خاندان میں غاصب، حق تلف مشہور کر رکھا ہے۔"

"عمر بھائی ہم نے تو نہیں کر رکھا.... آپ جانتے تو ہیں۔" موبی منمنایا۔

"تمہاری اس ہٹلر بجو کے ارشادات یاسمین چچی اور چچا بھتیجے خانی جیسے ہی ہیں۔"

"اوں.... یاسمین چچی سے یاد آیا یہ مٹھائی کا ڈبا آپ انہیں کی مہربانی سے کھا رہے ہیں۔ وہ لائی تھیں آج۔"

"ارے...." عمر جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔

"پہلے کیوں نہیں بتایا۔ یہ تو خطرناک مٹھائی ہوئی۔ یاسمین چچی اپنا بخار.... کسی کو نہیں دیتیں۔ تم لوگوں پر یہ مہربانی کیوں؟ یقیناً" کچھ پڑھ پھونک کر آئی ہوں گی۔"

"واقعی...." موبی کو نئی پریشانی چمٹ گئی۔

"عمر بھائی وہ تو کیک اور بہت سارا پھل بھی لائی تھیں۔"

"ارادے کیا ہیں ان کے؟" عمر کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"کیک پر تو بجو نے قبضہ جما لیا۔"

"چٹ لگا کر.... فریج میں؟" عمر نے تصدیق کرانی چاہی جو موبی نے اثبات میں سر ہلا کر دی۔

"فوراً" ڈسٹ بن میں پھینک آؤ۔"

"لل.... لیکن عمر بھائی بجو۔" موبی کو اپنی جان زیادہ پیاری تھی۔

"میں کہہ رہا ہوں نا.... ابھی اٹھو اور پھینک آؤ.... تمہیں اپنی بجو کی زندگی عزیز نہیں۔ یاسمین چچی سوچ سمجھ کر مہربان ہوتی ہیں۔ ان کی سوچ کیا ہے یہ پتا لگانا میرا کام ہے۔ تم اپنا کام کر آؤ۔ ہری اپ۔" موبی تو اٹھتے ہی کیک کوڑے دان کی نذر کر آیا تو چہرے پر حوریہ کا ردعمل سوچ کر نئی پریشانی لکھی تھی۔

"یار منہ مت بناؤ.... میں ہوں نا ویسے ہے کہاں تمہاری بجو۔" یہاں وہاں دیکھتے عمر نے سرسری انداز اختیار کیا۔

"یاسمین چچی کے گھر۔" موبی کا منہ لٹکا ہی رہا۔ حوریہ نے اسے "حقیقتاً" چیر پھاڑ دینا تھا۔ ادھر عمر نا سمجھی سے پہلے اسے دیکھتا رہا۔ پھر حیرت و الجھن کا شکار ہو کر اٹھ بیٹھا۔

"کہاں، کہاں، کہاں پھر سے بتاؤ۔" بے حد آہستگی سے وہ یوں پوچھنے لگا جیسے سننے میں دھوکا ہوا ہو۔

"یاسمین چچی کے گھر۔"

"کیوں، کب؟" عمر کی آنکھوں میں شدید ترین

ناگواری اتر آئی۔

"آج شام میں آئی تھیں چچی تو لے گئیں اپنے ساتھ۔" موبی کو بھی اندازہ ہو گیا عمر کے یکدم ہوئے خراب موڈ کا وہ جھجک کر بتا پایا۔

"اور چچی نے جانے دیا؟" عمر کی حیرت میں دبی دبی ناگواری اور غصہ تھا۔

"امی نہیں جانے دے رہی تھیں۔ بجو خود ضد کر کے گئیں۔" موبی سٹپٹا رہا تھا۔ عمر ہونٹ بھینچے اسے دیکھتا رہا۔

"امی تو اس بات پر بھی غصہ ہوتی ہیں کہ بجو یاسمین چچی سے اتنا فری کیوں ہوتی ہیں۔ بجو کو آج بھی آنکھیں دکھا دکھا کر منع کرتی رہیں پر بجو کو ___ شوق ہو رہا تھا جانے کا پھر یاسمین چچی بھی بہت اصرار کر رہی تھیں۔" عمر کی شکن آلود پیشانی کو کن انکھیوں سے دیکھتا موبی آہستگی سے بتا تا گیا۔ عمر ہونٹ بھینچے بیٹھا تھا۔ بے حد خفا اور مضطرب سا۔

"دادی کہتی ہیں بجو کے ستارے ملتے ہیں یاسمین چچی سے۔" موبی نے اپنے تئیں مذاق کرنا چاہا مگر عمر نے ایسی نظروں سے دیکھا کہ موبی کو مذاق بھاری لگنے لگا۔

"ٹائم کیا ہوا ہے؟" عمر نے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

"سوا گیارہ۔" موبی نے جھٹ سے بتایا۔ عمر کھڑا ہو گیا تھا۔

"کہاں عمر بھائی۔" موبی کو عمر کے ارادے ___ کچھ خطرناک لگے۔ عمر بغیر بتائے اسے کمرے سے نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

لوگ ٹھیک ہی کہتے ہیں۔ مراسم ایک حد تک برداشت ہوتے ہیں۔ بڑھ جائیں تو خوبیاں غائب اور خامیاں سامنے آجاتی ہیں۔ اسے یہ بات ابھی ابھی سمجھ آئی۔ یاسمین چچی دو مہینوں میں ایک بار آتیں تو بہت پیاری لگتیں۔ مگر اب اتنے گھنٹوں سے ساتھ تھیں اور حوریہ کو صحیح معنوں میں ناک تک بے زار کر چکی تھیں۔ ان کا یہ عظیم الشان بنگلہ، گیراج میں کھڑی دو گاڑیاں، گھر کی آرائش کے لیے استعمال ہوا سامان سب کچھ ان کے مظلوم لیکچر سے ہٹ کر کہانیاں سنا رہے تھے۔ وہ کتنی مظلوم، کتنی ارزاں، کتنی سوتیلی سی زندگی گزار رہی ہیں۔

حوریہ جب جب ان کی زبانی سنتی ان کے ساتھ مل کر آنسو بہاتی اور تایا ابا کے گھر والوں اور خود ان کے زبانی بخیے ادھیڑ کر اپنے نامہ اعمال کو بھاری کرتی۔ یہ نہیں تھا کہ آج وہ پہلی بار چچا دستگیر کے گھر آئی تھی۔ سال کے سال کبھی نہ کبھی حاضری لگ جایا کرتی اور ہر حاضری پہ چچا کے گھر کی مالی حالت سنورتی ہی نظر آتی۔ ان کے بیانات کے مترادف تو اسے کچھ بھی دیکھنے کو نہ ملتا۔ آج تو آنکھوں ہی چندھیا رہی تھیں۔ گھر کی شان و شوکت نے پہلے ہی زبان گنگ کر دی۔ اوپر سے چچی کا تایا اور تائی نامہ دماغ بھی سن کر گیا۔

وہ چھ بجے کی آئی تھیں۔ بلا مبالغہ چچی اس وقت سے رات کے کھانے تک تایا لوگوں کے خلاف زہر اگلتی رہیں۔ کھانے کے وقت وہ دونوں تھیں میز پر، چچا شہر سے باہر رافع، واسع اور شافع گھر سے باہر حوریہ چچی کی باتوں سے ناک تک بھر چکی تھی۔ اتنی زیادہ کہ کھانے کی بھی حاجت نہیں ہو رہی تھی۔

"یہ کھاؤ نا ___ ایسا مر مر کے کیوں نوالے لے رہی ہو، مانا کہ ہم غریبوں کے کھانے کی شان تمہارے تایا کے گھر کے کھانوں جیسی نہیں مگر اتنی بھی گئی گزری نہیں کہ تم سونگھنے پر آجاؤ۔" چچی کا کہا کھانے کو حقیقتاً" زہر کر گیا۔ وہ کہنا چاہتی تھی۔ چچی یہ پوری بھری ہوئی میز اس کے تو کیا عمر کے بھی گھر میں نہیں ہوتی۔ جو دو کھانے اسے گھر پکتے ہیں وہی عمر کے یہاں بھی ایسی بھری ہوئی انواع و اقسام کے کھانوں سے بجی میز تو عید کے عید بھی اسے تایا یا اپنے گھر دیکھنے کو نہیں ملتی۔ مگر اس وقت دل ہی نہیں آنکھیں بھی بھر گئی تھیں ___ وہ نمی اندر دھکیلتی، یہاں آنے کے فیصلے پر پچھتاتی کھانا زہر مار کرنے لگی امید تھی کھانے کے بعد جان خلاصی ہو گی اور وہ چچی کے نرغے سے آزاد



سونے چل دے گی مگر امتحان اور بھی باقی تھا چچی نے سبز چائے بنوالی اور اسی "تایا نامہ، عمر نامہ" کے فرد کے ساتھ خود بھی پی اسے بھی پلائی۔ دس بجے تک وہ خود کو دل ہی دل میں ہر موٹی گالی سے نواز چکی تھی۔

"مرجاتی یہاں نہ آتی تو؟ دماغ چل گیا تھا جو آگئی؟ کاش نہ آتی۔ اللہ پاک ابو جی آجائیں گھر اور مجھے نہ دیکھ کر امی اور دادی کو خوب ڈانٹیں اور مجھے واپس لے جانے کے لیے کسی کو بھیج دیں پلیز اللہ پاک پلیز۔" چچی کو بالآخر محسوس ہو گیا وہ اب کمرے سے باتیں کر رہی ہیں۔ کیونکہ حوریہ مکمل طور پر غائب دماغ ہوئی بیٹھی تھی۔

"لگتا ہے تمہیں نیند آرہی ہے۔ دیکھو بھلا میں سوچ رہی تھی ساری رات باتیں کریں گے۔ تم اتنی جلدی تھک گئیں۔" چچی یوں شکوہ کرنے لگیں جیسے اب تک کچھ بولنا نصیب ہوا ہی نہ ہو اس کے ساتھ اور ساری رات کا سوچ کر اس کا دل حلق میں آگیا۔

"چلو خیر ___ تین دن سے پہلے تو میں نے تمہیں نہیں جانے دینا ___ جی بھر کر باتیں کریں گے۔" چچی اسے اس کے کمرے میں لے گئیں اور وہ "تین دن" میں ان کی فی الحال "رات کیسے گزرے گی" کا غم بھی بھول گئی۔ چچی اس کے ماتھے پر نرم گرم سا بوسہ دے کر گڈ نائیٹ کہتی چلی گئیں تو اس نے آزادی کے ساتھ رونا شروع کر دیا۔ اس وقت اسے اپنا بستر، اپنا کمرہ، گھر حتیٰ کہ امی کی چیختی چنگھاڑتی پکاریں۔

"حوریہ رات بہت ہو گئی سو جاؤ۔ بند کرو ٹی وی، میں کہتی ہوں موبائل کی جان چھوڑو نہیں تو پٹو گی۔" سب بے تحاشا یاد آرہا تھا یوں لگ رہا تھا جیسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان سب سے جدا ہو گئی ہو۔

"نہیں نہیں اللہ پاک پلیز نہیں۔" اس نے بے ساختہ جھرجھری سی لی۔

"ہائے کوئی معجزہ ہو جائے ___ کوئی آجائے مجھے لینے۔" جو سکار کیا ہونا تھا۔ اسے نیند ضرور آگئی۔

☼ ☼ ☼

"شش، شش، ہیلو بیوٹی کوئین ___ سوئی ہوئی شہزادی آنکھیں کھولو۔" دور، بہت دور سے آوازیں آتی محسوس ہوئیں ___ لاشعوری طور پر نیند میں ہی اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا کوئی اس کے اوپر جھکا ہوا تھا ساری نیند ہرن ہو گئی پاگلوں کی طرح چیخ مارنے کی کوشش میں اس نے جیسے ہی منہ کھولا اس کے اوپر جھکے ہوئے وجود نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"کیا کر رہی ہو؟ زیادہ فلمی ہیروئن نہ بنو۔ میں رافع ہوں۔" ساتھ ہی اس نے لائیٹ آن کر دی۔ کمرہ روشن ہو گیا تھا اور رافع کا ہیولہ بھی مگر اس کی سدھ بدھ ابھی بھی سوئی رہی۔ وہ پھٹی آنکھوں میں خوف و دہشت سجائے اسے دیکھتی رہی۔

"اے ___ ہیلو، ہوش میں آؤ ڈونٹ بی آفریڈ یار رافع ہوں تمہارا کزن۔" وہ پہچان گئی تھی وہ رافع ہے مگر جس انداز سے اس نے رات کے اس وقت آکر جگایا تھا۔ وہ ہضم ہو تا تو وہ مزید کچھ سوچتی۔

"میں ابھی ابھی آیا ہوں ایکچوئیلی آج ولیمہ پہ گیا ہوا تھا۔" ولیمہ کا کیا مینیو ہو گا یہ اس کے منہ سے آئے ناگوار بدبو کے بھبھوکے خود بتا رہے تھے۔ مگر بہر حال وہ ہوش و حواس میں تھا۔

"مما نے بتایا تم آئی ہوئی ہو تو مجھ سے رہا نہیں گیا۔" اپنی حرکت پہ وہ ذرا بھی شرمندہ نہیں تھا۔ حوریہ کو خود پہ غصہ آنے لگا۔

"اور یہ کیا تم اتنی جلدی سو گئیں؟ ہمارا ویٹ تو کیا ہوتا؟ فرسٹ ٹائم تم ہمارے گھر رہ رہی ہو اور ہم ایک ساتھ انجوائے بھی نہ کریں۔ چلو چلو گیٹ اپ ___ باہر چلتے ہیں ٹیرس یا لان میں باتیں کرتے ہیں۔" وہ اسے باقاعدہ ہاتھ سے پکڑ کر کھڑا کر چکا تھا۔ حوریہ کی حالت مزید غیر ہونے لگی۔

"نہیں رافع بھائی ___ میں ایکچوئیلی۔"

"کوئی ایکسکیوز نہیں چلے گا۔ چلو آئسکریم بھی کھاتے ہیں اور ڈھیر ساری باتیں بھی کرتے ہیں۔" رافع ضد میں اپنی ماں پر گیا تھا صرف اپنی کہنا اور مرضی کا سننا اس گھر کے مکینوں کی گھٹی میں تھا شاید ___

"رافع بھائی ___ میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں۔

آپ پلیز مائینڈ مت کریں۔ میں آج تو یہیں ہوں نا صبح باتیں کریں گے آپ۔"
"صبح بھی کریں گے تم ابھی بھی چلو تو۔" رافع ہٹ دھرمی کا ثبوت دیتا اسے ہاتھ سے پکڑ کر جونہی آگے بڑھنے لگا۔ چہرے پر زمانے بھر کا غصہ، جھنجلاہٹ بے بسی اور جانے کیا کیا چسپاں کیے یاسمین چچی اندر داخل ہوئیں۔
"مما دیکھیں نا حور کو کتنی بور ہے۔ میں اس کو کہہ رہا ہوں۔"
"تم فی الحال اس کو کچھ مت کہو۔" یاسمین چچی نے تیز لہجے میں رافع کی بات کاٹی۔ حوریہ پہلے شکر گزاری اور پھر نافہمی سے یاسمین چچی کو دیکھنے لگی۔
"اس کے سگے آ گئے ہیں اس کو لینے۔" ان کے لہجے ہی نہیں آنکھوں میں بھی کاٹ تھی۔
"کون؟" اس سے پہلے رافع نے پوچھا۔
"عمر۔۔۔" چچی نے زہر خند لہجے میں بتایا۔ حوریہ نے بے ساختہ وال کلاک پر نظر دوڑائی۔ پونے بارہ تھے۔
"چمتکار۔۔۔" اس کا دل اچھلنے لگا، قہقہے لگانے لگا۔
"واٹ از دس نان سینس۔۔۔ آپ کہیں اس سے یہ کوئی ٹائم ہے؟ حوریہ اپنے چچا کے گھر رہنے کے لیے آئی ہے۔ کوئی مذاق ہے؟" نئی بحث چھڑنے لگی تھی۔ حوریہ کو اپنا جانا پھر خطرے میں لگنے لگا۔ عمر۔۔۔ یہاں تک بھی آ جاتا۔ جیسے بازو سے پکڑ کر رافع اسے لے جا رہا تھا۔ ایسے وہ بھی لے جاتا تو کیا جاتا اس کا (شکر ہے عمر سوچ نہیں پڑھ سکتا) سوچ کر پھر دل میں سٹپٹائی بھی۔
"کہا ہے۔ مگر وہ خان صاحب بضد ہے کہ چچا نے بھیجا ہے لازمی لے جانا ہے۔"
"چچی آپ ناراض نہ ہوں۔ واقعی ابو نے ہی بھیجا ہو گا۔ آپ جانتی تو ہیں ابو کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی۔ اپنے ہر کام کے لیے مجھے آواز لگاتے ہیں۔ تہجد کے لیے بھی میں ساتھ جاگتی ہوں ان کے انہیں مشکل ہو گی میں۔۔۔"

"آتے وقت یہ سوچ نہیں آئی تھی تمہیں؟" چچی سرد لہجے میں طنز کرنے سے نہ چوکیں حوریہ نے مزید الفاظ ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا ویسے بھی عمر کی گاڑی کا ہارن بج رہا تھا۔ وہ رافع اور چچی سے نظریں چراتی بھاگتی ہوئی باہر گاڑی تک پہنچی تھی۔

☼ ☼ ☼

"یہ وزٹ کس خوشی میں تھا؟" وہ جو اس خوش فہمی میں مطمئن ہو چکی تھی کہ عمر خاموش ہے تو گھر تک کا سفر سکون سے کٹے گا۔ مگر یہ ناممکنات میں سے تھا۔ عمر بظاہر ونڈ اسکرین کی جانب متوجہ جھٹکتے ہوئے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ وہ چپ رہی۔
"آج سے پہلے ہمارے گھر کی کوئی بیٹی کہیں جا کر رہی ہے؟"
"وہ ہمارے چچا کا گھر ہے۔" وہ بے ساختہ تڑپ کر بولی۔
"چچا کی محبت آج کیوں جاگی؟" وہ ہونٹ بھینچے شیشے سے باہر دیکھنے لگی کہ اس وقت منہ لگنے کی ہمت نہ تھی۔

"نہ کسی بڑے سے اجازت لی۔۔۔ نہ پوچھا اور چل دیں منہ اٹھا کر یاسمین چچی کے ساتھ جن کی سارے زمانے سے نہیں بنتی ان کی تم سے کیوں بنتی ہے؟ کبھی سوچا اس بارے میں؟"
"تم کون ہوتے ہو مجھے یہ سب کہنے والے۔۔۔ اور میں جب تمہارے گھر میں رہ سکتی ہوں تو ان کے گھر کیوں نہیں۔"
"میرے گھر کی اور بات ہے؟" عمر کا لہجہ عجیب ہو گیا۔ پراسرار وہ سر جھٹک کر پھر باہر دیکھنے لگی۔ چھوٹا سا شہر جس کی گلیاں ہی نہیں بازار بھی سو چکا تھا اور وہ اپنی بے وقوفی کی وجہ سے عمر کے ساتھ سڑکیں ناپ رہی تھی۔
"چچا اور چچی کی نرمی کا ناجائز فائدہ اٹھاتی ہو۔ مگر ایسی کوئی امید مجھ سے مت رکھنا۔ میں برداشت کرنے اور معاف کرنے والوں میں سے نہیں جو غلطی کرتا ہے



اسے سزا دے کر رہتا ہوں۔"
"تم۔۔۔" اس تو سارے فیوز اڑ گئے۔
"حد میں رہو۔۔۔ میرے باپ مت بنو۔"
"میں بننا بھی نہیں چاہتا۔" عمر کا لہجہ تمسخرانہ تھا۔ وہ ہونٹ کاٹنے لگی۔
"کہوں گی میں ابو سے۔ تمہیں کیوں بھیجا مجھے لینے کے لیے۔۔۔ سارا راستہ مجھ سے بدتمیزی کرتا رہا۔" وہ دھمکی دے رہی تھی۔
"واٹ۔" عمر کا پاؤں بریک پر جا پڑا۔ جیسے حوریہ کے فیوز اڑے تھے بالکل ویسے اس کے طبق روشن ہوئے تھے۔
"مطلب جانتی ہو اس جملے کا؟" وہ اس کی طرف منہ کر کے غرایا۔ حوریہ ایکدم سہم گئی۔
"کر کے بتاؤں بدتمیزی کیا ہوتی ہے؟" یہاں پر حوریہ کی روح فنا ہو گئی صورت حال کی نزاکت کا احساس اب جا کے ہوا۔ اندھیری رات، سنسان جگہ، سڑک پر کھڑی اکلوتی کار میں وہ اور عمر۔۔۔ اس کی آنکھیں جھلملا گئیں اپنی بے بسی پر۔
"اور تمہیں میں خود لینے آیا ہوں۔ چچا یا کسی نے نہیں بھیجا مجھے۔" اس کی سبز جھیلوں سے نظریں چراتا آرام سے کہتا وہ دوبارہ گاڑی چلانے لگا۔ حوریہ کے آنسو دیکھ کر اندازہ ہوا کچھ زیادہ کہہ گیا تھا وہ۔
"تم بھی نا بنا سوچے سمجھے چلی گئیں صبح کالج ہے۔ میرا پیریڈ ویسے بھی دو دنوں سے نہیں ہوا۔ کل بھی تم مس کر دیتیں تو سوچو نقصان ہوتا یا نہیں" وہ ابھی کافی تمیز سے نرم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ مگر حوریہ کو پروا نہیں تھی۔ وہ پلکیں جھپک جھپک کر آنسو پیتی رہی۔
"حور۔۔۔ آئس کریم کھائیں۔" شہر کا مشہور آئسکریم بار رستے میں آیا تو محض اس کا موڈ بدلنے کے لیے وہ بولا۔ حوریہ نے غصے سے منہ پھیرے رکھا۔ گویا وہ بات کرنے کے موڈ میں بھی نہیں تھی۔
"میں صبح نہیں آؤں گی۔" پھر اچانک وہ زور دے کر بولی تھی۔

"کیوں؟"
"میری مرضی۔" عمر نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ وہ اپنی جون میں واپس آ رہی تھی۔
"ٹھیک ہے نہ آؤ۔ میں نوٹس بورڈ پہ لگوا دوں گا کہ حوریہ عالمگیر نا صرف میری فرسٹ کزن ہے بلکہ میری۔۔۔" اتنا کہہ وہ اچانک چپ ہو گیا۔
"کیا میری۔۔۔ ہیں آگے بولو۔" وہ آنکھوں میں شرارے بھرے اسے کاٹ کھانے کی دوڑی۔ عمر پہلے تو اسے عام سی نظروں سے دیکھتا رہا پھر مسکرا کر نفی میں سر ہلاتا بولا۔
"کچھ نہیں۔" کزن کے علاوہ وہ اس کی کیا تھی؟ یہ وہ تو جانتا تھا۔۔۔ حوریہ بھی جان جائے اس کے لیے امی اور تایاؤں کو ہوشیار کرنا ضروری تھا۔ یعنی مشن امپاسبل اسٹارٹ۔

☼ ☼ ☼

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول
میرے چارہ گر

رخسانہ نگار عدنان
قیمت -/400 روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی

رول نمبر 7 اور 32 عمر کے "یس کم ان" کہنے کے بعد اپنی نشستوں کی جانب بڑھ رہی تھیں۔ حوریہ کی نظریں لاشعوری طور پر عمر کی طرف تھیں۔ اسے لگا رو نمبر سیون اور تھرٹی ٹو یعنی فاریہ اور خدیجہ پر ٹکی عمر کی نگاہوں کا تاثر بڑا گہرا اور بھرپور ہے۔

"چیپ انسان۔" اسے خوامخواہ تاؤ آیا۔ فاریہ اور خدیجہ ہوسٹل میں ہونے کے باوجود بڑے آرام و اطمینان سے کالج آتیں حوریہ نے محسوس کیا عمر نے انہیں دیر سے آنے پر کچھ بھی نہیں کہا تھا اور وہ دو چار بار لیٹ ہوئی تو بنا رعایت دیے اس کی خوب لفظی کھنچائی کر ڈالی تھی۔ فاریہ اور خدیجہ نزدیکی تحصیل کے گاؤں سے تھیں۔ فاریہ کا تعلق بھی اونچے زمیندار گھرانے سے تھا اور خدیجہ اس کی بہترین دوست تھی۔ اگرچہ کوئی اتنی خاص حسین تھیں نہیں۔ لیکن دونوں کا رکھ رکھاؤ اور دلکش شخصیت سامنے والے کو متاثر ضرور کرتی۔ جیسے کہ ابھی ابھی حوریہ کو یقین ہو رہا تھا کہ عمر بھی ان کے متاثرین میں آ کھڑا ہوا ہے۔

"مجھے کیا..... جدھر منہ مارے، جس کو چاہے تاڑے۔" پھر یہ احساس ہونے پر کہ وہ کیوں اپنا آپ جلا رہی ہے اس نے عمر اور فاریہ، خدیجہ پر ایک ساتھ مٹی ڈالی اور رخشی کی طرف متوجہ ہوئی۔ جو عمر سے کوئی سوال کر چکی تھی۔ جس کے جواب میں عمر کہہ رہا تھا۔

"آپ کیا چاہتی ہیں..... میں آپ کو اپنی ڈگری اور یونیورسٹی کی سند لا کر دکھاؤں؟"

"دکھانے کی کیا ضرورت ہے..... آپ کا way of talking بتا رہا ہے آپ کتنے ایجوکیٹڈ ہیں۔" پوری کلاس کو سانپ سونگھ چکا تھا۔ رخشی کی کڑک، کراری آواز خاموش کمرے میں اور زیادہ ناقابل برداشت ہو رہی تھی۔ اس نے جس لب و لہجہ میں جو ——— جملہ کہا اس کے بعد عمر کی تیوری لازمی چڑھنی تھی۔ اس کا حوریہ کو یقین تھا۔

"سیم میری فیلنگز بھی یہی کہتی ہیں آپ کے بارے میں۔" عمر نے بظاہر تحمل کا مظاہرہ کیا تھا۔

"مجھے آپ کے Opinion کی ضرورت نہیں۔ یہاں موجود سب پروفیسرز میری قابلیت جاننے کے لیے موجود ہیں۔ مجھے آپ کی Judgement نہیں چاہیے۔"

"میں بھی یہاں منہ اٹھا کر نہیں آ گیا ہوں..... باقاعدہ آپ کے پرنسپل اور پروفیسرز کی فرمائش پہ آیا ہوں اور کچھ جانتا ہوں۔ تبھی ہی بلایا گیا ہوں..... ورنہ مجھے بھی شوق نہیں اپنی قابلیت کے جھنڈے آپ جیسوں کے سامنے گاڑنے کا۔" عمر کے ماتھے کی رگ پھولی ہوئی تھی۔ حوریہ جانتی تھی وہ جب غصے میں ہوتا تو یہ رگ واضح ہو جاتی ہے۔ پھر بھی عمر ضبط سے کام لے رہا تھا۔ اپنے لفظوں سے ہٹ کر اس کا لہجہ سخت نہیں تھا۔

"مجھ جیسوں سے آپ کا کیا مطلب؟" اس کے برعکس رخشی تہذیب و تمیز کے دائرے سے نکل کر بھڑکی تھی۔

"چپ ہو جاؤ کیا ہو رہا ہے تمہیں؟ خود کو دیکھ آئی تھیں شیشے میں کیا؟" راشدہ نے دبی آواز میں اس کا میٹر ٹھیک کرنا چاہا مگر وہ اس کا ہاتھ جھٹکتی کھڑی ہو گئی۔

"میں خود آپ جیسوں سے نہ پڑھوں..... جنہیں لڑکیوں سے بات کرنے کی بھی تمیز نہیں۔ یہاں سے پتا لگتا ہے تھرڈ کلاس ٹیچر کیا ہوتی ہے۔" کہنے کے بعد رخشی بیگ فائل اٹھاتی اپنی مٹیلے رنگ کی چادر اڑاتی کلاس سے باہر چلی گئی۔ عمر ہونٹ بھینچے آنکھوں میں شدید ناگواری و ناراضی بھرے وہیں دیکھتا رہا جہاں سے وہ اٹھ گئی تھی۔ سب کلاس کے چہرے مجرمانہ ہو رہے تھے۔

"سر آپ محسوس نہ کریں..... یہ پوری کریک ہے۔ بعد میں خود ہی آپ سے معافی مانگنے آ جائے گی۔" راشدہ نے ہی ہمت کی عمر کو کلاس میں واپس حاضر کرنے کی۔ وہ گہری سانس کھینچتا بنا کوئی رد عمل دکھائے لیکچر دینے لگا۔

اس دوران حوریہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ صبح عمر کا فاریہ اور خدیجہ کو دیکھنا اسے برا لگا یا پھر بھری کلاس میں



رخشی نے نہایت بدتمیزی سے عمر کی بے عزتی کی وہ حوریہ کے دل پر جا لگی اور اب عمر کا غیر معمولی سنجیدہ ہونا اور آنکھوں سے جھانکتی دکھ کی کیفیت بھی اسے کھٹک رہی تھی۔ یہی نہیں پیریڈ ختم ہونے کے بعد جب وہ چاروں باہر کاریڈور میں کھڑی تھیں۔ اس کا رخشی سے بات کرنے کو بھی دل نہیں کر رہا تھا۔ رخشی نے جتنی بار اس سے مخاطب ہونے کی کوشش کی اس نے اتنی بار اسے نظر انداز کیا

☼ ☼ ☼

کتاب سے رٹنے میں اسے کوئی مسئلہ نہیں ہو رہا تھا۔ مگر جب آئینے کے سامنے کل کی پریزنٹیشن کے لیے پریکٹس کرنے کھڑی ہوتی یاد کیا سب بھول جاتا۔

"کیا مصیبت ہے۔" بالآخر ہمت جواب دے گئی۔ سچ مچ کا رونا آنے لگا۔ پہلے سمسٹر میں اس کو پریزنٹیشن دینے کا تجربہ نہیں ہوا تھا۔ بلکہ پوری کلاس میں سے صرف ایک رخشی اور دوسرے جنید نے ایک ہی مضمون پر دی تھی اور اب دوسرے سمسٹر میں جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے۔ کے مصداق سب سے پہلے کا نعرہ لگا کر عمر نے پریزنٹیشن لینے کا نا صرف شوشا چھوڑا بلکہ اعلانیہ چند اور اسٹوڈنٹس کے ساتھ اس کا نام بھی سلیکٹ کر لیا۔

"میں نے تمہیں دینی کوئی پریزنٹیشن آیا بڑا کہیں کا استاد ابھی تک کسی اور نے لی ہے جو اس کو شوق چڑھ گیا۔" خود سے عہد باندھنے کے بعد اس نے وال کلاک پر سرسری نظر دوڑائی۔ ابھی صرف دس بجے تھے۔ یعنی وہ جاگ رہا ہو گا۔

"بتا آتی ہوں..... میں نے نہیں دینی جو چاہو کر لو۔" مصمم ارادہ کرتے ہوئے وہ اپنے کمرے سے نکل کر موبی کے کمرے تک آئی۔ دروازہ کھول کر جھانکا۔ موبی کتابوں میں سر دیے بیٹھا تھا۔

"چوکیداری کر رہی ہیں میری؟" اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

"تمہارے گرو کہاں ہیں؟" اس کا اشارہ سمجھ کر موبی مسکرایا۔

"اپنے کمرے میں ہوں گے۔" وہ دروازہ بند کر کے پلٹ آئی۔

"بے چارہ..... لگتا ہے رخشی کے زبانی وار بڑی زور کے لگے ہیں۔ سوگ منا رہا ہو گا۔" عمر کے پورشن تک وہ یہی سوچتی گئی۔ وہاں لائٹس آن تھیں..... تایا، تائی یقیناً سو چکے تھے۔ دونوں کو پھر تہجد کے لیے جاگنا ہوتا تھا۔ اس نے پہلے زویا کے کمرے میں جھانکی ماری۔ وہ بیڈ پر دراز کوئی انگلش ناول ہمراہ ڈکشنری کے پڑھ رہی تھی۔

"اب آئی ہو..... مہندی اتر گئی تمہاری؟" دروازے میں سے جھانکتے اس کے سر کو دیکھ کر وہ بھنائی۔

"میں نے لگائی ہی نہیں تھی۔" وہ دانت نکوس کر بولی۔

"اب الٹے پیروں واپس جاؤ۔ میرا نہیں موڈ فلم دیکھنے کا۔" اس نے رنبیر کپور کی نئی فلم منگوائی تھی آج اور بلا مبالغہ حوریہ کو بلانے کے لیے ساٹھ تو میسج کیے تھے اکٹھے دیکھنے کے لیے اور اس کا ایک جواب wait تن من جلا گیا تھا۔ پر کس ویم کی لگتی سلگتی نہ ہو تو، اب آ گئی تھی جب اس کے موڈ کا ستیاناس ہو چکا تھا۔

"میں عمر سے ملنے آئی ہوں..... مل لوں۔ واپس آ کر تمہارا علاج کرتی ہوں۔"

"تم میرے بھائی سے رات کے اندھیرے میں ہی ملنے کیوں آئی ہو۔" زویا کے ابرو اچکا کر پوچھنے کی دیر تھی۔ وہ پلٹتے پلٹتے رک گئی۔

"کیونکہ دن میں ڈورے ڈالنے کے لیے وہ ملتا نہیں۔" دانت پیس کر وہ طنزیہ بولی تھی۔ زویا مزے سے ہنسنے لگی۔

"مجھے اپنے امی، بابا کو بتانا پڑے گا۔ لڑکی بے حیا ہوتی جا رہی ہے۔"

"سنبھال کر رکھو اپنے اس نگینے کو۔ میں ایسوں کو منہ بھی نہ لگاؤں۔" زویا کا مذاق اڑاتا انداز اس کی شان پہ حملہ تھا۔

"پتا ہے.... پتا ہے منہ لگانے کے لیے تمہیں کرم حسین جیسے ملتے ہیں۔" زویا کو اس کے سبھی کلاس فیلوز کی بابت خبر تھی۔ کیونکہ گھر میں ایک زویا ہی تھی جسے کالج کے قصے سناتی تھی۔

"میں آکر تمہارا علاج کرتی ہوں۔" منہ پر ہاتھ پھیرتی دھاڑ سے دروازہ بند کرتی وہ وہاں سے ہٹی۔

"تم جاگ رہے ہو؟" دروازے سے جھانک کر دیکھا۔ عمر لیپ ٹاپ پہ مصروف تھا۔ یعنی واقعی جاگ رہا تھا۔ لیکن مدعا بیان کرنے کے لیے کوئی ابتدائیہ تو چاہیے تھا۔ سو وہ خوامخواہ بولی تھی۔ انداز ایسا تھا جیسے تسلی چاہ رہی ہو، عمر نے چونک کر پہلے حیرانی سے اسے دیکھا پھر "تم جاگ رہے ہو؟" پہ دھیان گیا تو کھل کر مسکرایا۔ آنکھوں میں شوخی ہی نہیں چمک بھی آبسی تھی۔

"سویا یا جاگا.... جو تم سمجھو۔" وہ اندر آگئی تھی۔ عمر کی پوری توجہ اب اس پر تھی۔

"میں تم سے یہ کہنے آئی ہوں.... میں بالکل بھی پریزنٹیشن نہیں دوں گی.... سن لو۔" لہجے کو خاصا دبنگ بنا کر اپنے تئیں اس نے پہلے ہی وار میں عمر کو چت کرنا چاہا۔

"سن لیا.... اور؟"

"اور یہ کہ تمہارا میرے تایا کا بیٹا اور ایک ہی گھر میں رہنے کا کیا فائدہ ہوا بھلا؟" عمر کی مسکراہٹ اور اس کی نظروں کے دلچسپ ارتکاز سے دل ہی دل میں، پیچ و تاب کھاتی وہ مزید کڑے لہجے میں استفسار کرنے لگی۔

"ہمارے بیچ فائدے نقصان کی بات ہی نہیں ہوئی کبھی۔"

"میں کر رہی ہوں نا۔" کھٹ سے اس نے کہا تھا۔

"اب۔" یہ لفظ ناچار کہنا پڑا۔ عمر نے مسکراہٹ چھپانے کی خاطر سر جھکا لیا۔

"جب ہم دونوں کالج میں غیر ہیں تو فائدہ نقصان بھی بے کار۔"

"دیکھو۔" دل تو چاہا نرخرہ دبادے اس گدھے کا مگر مجبوری کے ہاتھوں برداشت کر گئی کہ اسے باپ بنانا پڑ رہا تھا۔

"اخلاقیات کا تقاضا ہے۔ تم پھر سے رشتہ دار ہونے کی فیور دو مجھے۔"

"یہ تو غیر اخلاقی سبق ہوا۔" عمر اس کے عین سامنے آکھڑا ہوا۔ بظاہر سنجیدگی دکھائی مگر آنکھوں میں شرارت رقصاں تھی۔

"آج تم اپنا فائدہ مانگنے آئی ہو۔ کل کہو گی تمہاری فرینڈز کے بھی کام آؤں تو سوئیٹ ہارٹ.... یہ میری پروفیشنل ذمہ داری کے خلاف ہے۔"

"میں صرف اپنی بات کر رہی ہوں تم۔" بے بسی کا مقام تھا وہ اس کے سامنے ضرورت مند بنی کھڑی تھی۔

"ایک شرط پہ.... مجھے سب کو بتانے دو تم میری کیا ہو۔" عمر حظ اٹھا رہا تھا۔ مگر اس کی برداشت حد پار کر چکی تھی۔

"تم، تم ایک نمبر کے گھٹیا اور خبیث ہو۔ رخشی نے ٹھیک تمہاری دھنائی کی۔" اس کی زبان کے جوہر کھلنے لگے۔

"دھنائی۔" عمر کو اچنبھا ہوا۔

"تم ہو ہی اس قابل، تمہیں میں شریف برداشت نہیں ہو رہی تھی۔" غصے کی انتہا تھی کہ جملے کچھ کے کچھ بن رہے تھے۔ عمر نے پورے منہ پر ہاتھ پھیر کر گویا قہقہہ دبایا۔

"تم جیسے کے لیے رخشی جیسی زبان ہی ٹھیک رہتی ہے۔ اللہ کرے وہ روز تمہارا غرور ٹھکانے لگائے اور اللہ کرے تمہاری بیوی بھی بنے۔" کہہ کر وہ جیسے ہی جانے کے لیے پلٹی عمر نے اس کا بازو پکڑ کر واپس اپنے سامنے کیا۔

"تھوڑا سا مجھے بھی سنتی جاؤ۔" وہ اس کے بالکل قریب کھڑا تھا۔ مگر غصے نے ایسے حواس سلب کیے



ہوئے تھے کہ اس پر یہ نزدیکیاں بھی کچھ اچھا کچھ سچا منکشف کرنے میں ناکام رہیں۔

"تم اس رنگ میں پتا ہے کیسی لگ رہی ہو۔" حوریہ کو اب جا کے عمر کی ذہنی حالت کے ساتھ ساتھ فضا بھی ناسازگار محسوس ہوئی۔

اس نے سانس روک لی۔ عمر نہ جانے کیا کہنے والا تھا۔ یا پتا نہیں کیا کرنے والا تھا.... فلموں میں تو ایسی صورتحال کے وقت ہیروئن کے ہاتھ کوئی گلدان، کوئی گلاس آجاتا ہے۔ مگر یہاں دونوں چیزیں پہنچ سے دور تھیں۔

"کوئی بات نہیں ناخن بڑے ہیں۔ نوچ لوں گی یا گردن دبا دوں گی۔ بھلے اکلوتا ہو۔ میری عزت سے بڑھ کر نہیں۔"

"فانٹا کی بوتل۔" اس کی تخریبی سوچ کو عمر نے یہ کہہ کر بریک لگایا۔ اسے ایک دم سے جھٹکا لگا۔ یہ سننے کی بھی امید نہیں تھی۔

"اور پتا ہے میرا دل کیا کر رہا ہے؟" عمر کی آنکھوں میں ناچتی شرارت بتا رہی تھی وہ آگے بھی کچھ جھٹکا لگانے والا ہے۔

"پی لوں۔" آنکھیں بند کر کے بڑے جذب سے اس نے کہہ کر۔ دوسرا جھٹکا بھی دے ڈالا۔ واپنی کلائی چھڑواتی عمر سے،

یوں ہی اڑتی ہوئی اپنے پورشن میں جانے سے پہلے زویا کے کمرے میں جھانک کر غرانا نہ بھولی

—

"تمہارا بھائی ایک نمبر کا غنڈہ ہے۔ تم ٹھیک کہہ رہی تھیں۔ اس کے کمرے میں رات کو جانا اپنی مصیبت بلانا ہے۔" اور یہ جا وہ جا۔

"ارے سلامت تو جا رہی ہو۔" زویا نے پیچھے سے ہانک لگائی تھی۔

☼ ☼ ☼

اگلی صبح پریزنٹیشن سے بچنے کا طریقہ اس نے یہ نکالا کہ چھٹی کر لی اور کر کے پچھتائی کام وام کوئی خاص ہوتے نہیں تھے۔ شادو جھاڑو پونچھے کا کام دونوں پورشنز میں کرتی تھی۔ بعد ازاں امی اور شادو دونوں کی سواری ایک ساتھ عمر لوگوں کے پورشن کی طرف روانہ ہوئی۔ زویا یقیناً "کیمپس گئی ہوئی تھی، ورنہ حوریہ کی سواری بھی وہاں روانہ ہوتی۔ موبی اپنے کالج عبوریت سی بوریت تھی۔

"خوامخواہ چھٹی ماری۔" رہ رہ کر پچھتاوے نے ستایا۔ دادی ٹی وی پر کوئی مارننگ شو دیکھ رہی تھیں۔ ان کی کمپنی میں ٹی وی دیکھنا اپنے آپ میں ایک سردرد تھا۔ اس وقت یہ سردرد گوارہ لگا۔

"دیکھو تو منحوس کے کپڑے بادبان پہن کر آگئی۔" سردرد کا پہلا حملہ ہوا، حوریہ نے گہری سانس لے کر خود میں توانائی بھرنا چاہی۔ یہ مارننگ شوز پورے خشوع کے ساتھ دادی دیکھتیں.... اور میزبان خواتین کے کپڑے دیکھ دیکھ کر جان بھی جلاتیں۔ کبھی میزبان "چھتری" لپیٹے نظر آتی تو کبھی اس کے کپڑے ٹینٹ جتنے نظر آتے کبھی پیرا شوٹ تو کبھی اسے کسی لباس میں بدروح بنا ڈالتیں۔

"اچھا بھلا تو ہے۔" حوریہ کو کپڑوں میں کوئی برائی نظر نہ آئی۔ کیا کرتی دادی والی عینک اس کے پاس تھی ہی نہیں۔

"اب ایسا سلوانے نہ چلی جانا.... نیو کے پاس۔" دادی نے جیسے اس کا ارادہ جانچ کر حکم دیا۔ وہ بدمزا ہو کر جوں ہی اٹھی ٹیلی فون گنگنانے لگا۔ دادی نے فی الفور ٹی وی کا والیوم کم کیا کہ فون کالز کسی کی بھی ہوتیں، کوئی بھی اٹینڈ کرتا۔ دادی کان ضرور کھڑے کر لیتیں۔

"ہیلو...." اس نے نہایت بددلی سے ریسیور کان سے لگایا تھا۔

"کمال قسمت ہے میں ابھی یہی سوچ رہا تھا کاش تمہاری آواز سننے کو ملے۔" دوسری طرف رافع کی بھاری آواز گونجی تھی۔

"السلام علیکم رافع بھائی۔" اس رات بارہ بجے عمر کے ہمراہ واپس آنے کی شرمندگی تھی کہ ادب آداب

بجالائی۔

"رافع ہے..... میری بھی بات کرانا۔" دادی کے کان ہر خاص و عام کال پر ضرور لگے ہوتے۔ ابھی بھی اس کے منہ سے رافع کا نام سن کر کھل سی گئیں۔

"وعلیکم السلام..... بہت شکریہ اس سلامتی بھیجنے کا ..... ویسے میں تم سے بہت ناراض ہوں۔"

"کیوں....." اندازہ تو تھا وہ کس بات پر ناراض ہو گا۔ پھر بھی استفسار کیا۔ ہلکی ہلکی گھبراہٹ نے بھی آلیا تھا۔

"تمہیں میرے ساتھ دو باتیں کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ اور عمر کے ساتھ آدھی رات کو چلی گئیں..... سچ ہے ان کا بڑا نام 'بڑا گھر' ہم کیا ہیں؟" وہ یقیناً "شرمندہ کر رہا تھا اور وہ واقعی شرمندہ ہوئی۔

"سوری رافع بھائی میرا یقین کریں مجھے اپنے گھر کے علاوہ کہیں نیند نہیں آتی میں بہت بے سکون ہو جاتی ہوں۔ یقین کریں۔"

"اپنا سمجھتیں تو ایسا کچھ فیل نہ ہوتا۔"

"اچھا..... پھر کبھی آئی تو ضرور رہوں گی، سچی۔" وہ خلوص دل سے بولی۔ رافع اسے حق بجانب محسوس ہوا۔

"آئی کیا..... ہم خود آپ کو لے جائیں گے..... اپنی خواہش سے۔" اب کے رافع کی ٹون یکسر بدلی۔ حوریہ نے بھنویں سکوڑ کر غور کرنا چاہا کہ دادی ..... آکھڑی ہوئیں۔

"میری بات کراؤ۔ تمہاری کتھا جانے کب ختم ہو۔"

"رافع بھائی..... آپ دادی سے بات کرلیں۔" وہ کافی دیر سے کہہ رہی ہیں۔"

"یار میں نے....." رافع پتا نہیں کیا کہنے لگا تھا۔ اس نے دھیان دیے بغیر ریسیور دادی کو تھمایا۔ دادی نے حسب عادت تار کو اپنی سہولت کے مطابق یہاں وہاں کر کے بڑے اہتمام سے ریسیور کان سے لگا کر ہیلو کہا اور کئی بار کہا پر رافع فون بند کر چکا تھا۔ ریسیور رکھ کر انہوں نے کال کٹنے کا جرم حوریہ پر عائد کر کے ایک گھنٹے تک وکھڑا رویا تھا۔

☆ ☆ ☆

آج "بڑے گھر" میں خوب چہل پہل تھی۔ (تایا لوگوں کے لیے وہ بھی طنزاً "بڑے کی اصطلاح استعمال کرتی تھی۔ بڑے لوگ 'بڑا گھر' بڑا نام) اپنے لاؤنج میں بیٹھے بیٹھے جی مچلنے لگا۔

"دیکھوں تو سہی کیا قصہ ہے؟" امی اور دادی کسی دھواں دھار بحث میں الجھی تھیں۔ شام کے پانچ بج چکے تھے۔ وہ انہیں ایک دوسرے کے رحم و کرم پر چھوڑتی، چپل اڑستی بڑے گھر کی طرف بھاگی۔ وہاں واقعی الگ سماں تھا۔

"ہائے..... میں صدقے۔" بڑی آپا اس پر نظر پڑتے ہی چہکیں۔ اس نے آنکھیں سکوڑ لیں۔ یوں تو آٹھ بہنوں پر مشتمل یہ شادی شدہ پلٹن جب جب میکے آتی رونق ہو جاتی۔ شادی کے فنکشن کا گمان ہونے لگتا۔ مگر اس وقت کی خاص بات سب نے تیاری بھی یوں کر رکھی تھی گویا شادی پر آئی ہوں یا جا رہی ہوں اور سب کے بچے بھی ساتھ تھے..... بڑی آپا کی شادی شدہ بیٹی اپنی نومولود بچی کے ساتھ تو چھوٹی آپا کا شادی شدہ بیٹا اپنی نوخیز دلہن کے ساتھ موجود تھا۔ عمر کی بڑی آپاؤں کے بچے عمر سے بڑے یا اس جتنے تھے۔

"کیا ہوا..... پہچانے نہیں جا رہے؟" چھوٹی آپا بالکل دلہن لگ رہی تھیں۔ پہلے کہا پھر آکر اسے بھینچ بھی لیا، وہ کہاں تیار تھی اس التفات کے لیے بری طرح سے بوکھلا گئی۔ پھر تو جیسے دوڑ لگ گئی کسی نے چوما کسی نے گلے لگایا..... کسی نے بلائیں لیں۔ محبت کی اس افراط نے حوریہ کو بدحواس کر دیا۔ آخر میں تائی اپنے کمرے سے برآمد ہوئیں۔ سجی سنوری اور خوامخواہ کھلکھلاتی۔

"ارے میری حورا آئی ہے۔" اس پر نظر پڑنے کی دیر تھی۔ بڑی آپا سے بھی زیادہ زوردار نعرہ لگایا۔ اور آ کر اس سے لپٹ گئیں تائی امی ہمیشہ بہت پیار سے ہی ملتی تھیں۔ مگر آج کا اظہار شفقت کسی اور نوعیت کا



تھا۔ حوریہ کی سراسیمگی دوچند ہو گئی۔ تائی نے تادیر اسے لپٹائے رکھا۔ پھر الگ ہوئیں تو چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر نم آنکھوں کے ساتھ اس پیار و محبت سے دیکھتی رہیں کہ کیا ہی کبھی امی نے اسے دیکھا ہو گا۔ آخری مظاہرہ تائی نے اس کے ماتھے پر بہت لمبا چوڑا بوسہ لینے کا کیا۔ وہ بے ساختہ جھینپی کہ سب کی توجہ اس پر تھی۔ تائی کی لپ اسٹک اس کی پیشانی سے عمر کی بھانجی ویرا نے صاف کی۔

"بس.....؟" عمر کے ہم عمر بھانجے شازیہ نے شریر سوالیہ نظریں حاضرین پر ڈالیں۔

"پوری نفری نے اس پیریڈ میں حصہ لیا یا کوئی باقی ہے؟"

"زویا۔" ماہا بجو نے اعلانیہ بتایا۔

"عمر بھی۔" شادی شدہ بھانجے معید نے شارب کو دیکھ کر نا صرف آنکھ ماری بلکہ حوریہ کو دیکھ کر قہقہہ بھی لگایا حوریہ کو بات کی تفصیل تو کیا خلاصہ بھی نہیں پتا تھا۔ مگر پھر بھی معید کو آنکھ مارتے دیکھ کر وہ بری طرح سے سرخ پڑ گئی۔

"میں زویا سے مل لوں۔" بہتر سمجھا یہاں سے غائب ہوا جائے۔ کچن میں جانے لگی بڑی آپا نے پیار سے مطلع کیا وہ بھی ہنستے ہوئے۔

"زویا اپنے کمرے میں ہے۔" وہ جی ہی جی میں سب کے کریک ہو جانے پر دہلتی زویا کے کمرے میں آئی۔ وہاں وہ بھی اپنا نیا جدید تراش خراش کا سوٹ پہنے آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔

"اخاہ..... آپ آگئیں۔" زویا نے بھی باقی نفری کی پیروی کی۔ یعنی فرط جوش سے اس کو گلے لگالیا۔

"کیا مصیبت ہے۔" وہ بے طرح جھنجلائی۔ زویا قہقہہ لگاتی پھر سے آئینے میں گم ہوئی۔

"سب کے سب پاگل ہو گئے ہیں۔" یہاں تک حوریہ ناگواری سے بڑبڑائی۔

"کہیں جا رہے ہو؟ شادی وادی پہ؟"

"نہیں ہم تو آرہے ہیں۔" زویا نے ترت کہا اور گڑبڑائی بھی۔

"آرہے ہیں کیا مطلب؟" حوریہ کو لگا ابھی وہ بھی پاگل ہو جائے گی۔

"مطلب..... ہم اپنے اکلوتے لاڈلے بھائی کے لیے لڑکی دیکھنے جا رہے ہیں۔" زویا نے جیسے سب کے پاگل پن کی وجہ بتادی جو حوریہ کو کھودا پہاڑ اور نکلا چوہا کے مصداق لگی۔ سب کے تیور اور پیار دیکھ کر لگ تو ایسے رہا تھا جیسے کارنامہ اس سے سرزد ہوا ہو اور یہاں اصل ہیرو عمر صاحب نکلے۔

"ماشاء اللہ..... کاکا جوان ہو گیا۔ ویسے کس کی قسمت پھوٹ رہی ہے۔"

"ساتھ آکر دیکھ لو۔ ہم بس روانہ ہونے والے ہیں۔" زویا بے حد خوش نظر آرہی تھی۔

"کیوں..... لڑکی ڈھونڈتے وقت ساتھ لے گئی تھیں جو اب شہیدوں میں نام لکھوا رہی ہو؟" نا چاہتے ہوئے بھی شکوہ گو ہوئی زویا جی کھول کر ہنسی تھی۔

"میری جان لڑکی بھی بھائی نے خود ڈھونڈی، خود پسند کی..... ہمیں مارچ پاسٹ نہیں کرنا پڑا۔"

"ہا....." اس کا منہ کھل گیا۔

"تو بہنوں کے اکلوتے بھائی نے خود سے لڑکی پسند کرلی؟ تم لوگوں کو اہمیت ہی نہیں دی؟ بہنوں کے کئی ارمان، کوئی خواب ہوتے ہیں۔ میں تو موبی کو ایسا کبھی نہ کرنے دوں۔"

"بھائی کی زندگی کا فیصلہ ہے۔ ہم کیوں روڑے اٹکائیں اور شکر ہے انہیں وہ لڑکی پسند آئی۔ جسے ہم سب بھابھی کے روپ میں دیکھ رہے تھے..... یعنی ہمارے ارمانوں اور خوابوں کا جنازہ نہیں نکلا۔" حوریہ منہ بنا کر سنتی رہی۔ اس کے دماغ میں عمر کی راشدہ سے ہوئی باتیں گونج رہی تھیں۔

"پتا نہیں کس بے چاری پہ برا وقت آیا ہے۔" زویا کے دانت پھر سے نکلنے لگے۔

"ویسے تمہارے بھائی کے ساتھ جچتی رخشی ہے۔"

"تمہارے منہ میں خاک۔ دفع دور۔" زویا نے کس کے حوریہ کو جھانپڑ لگایا۔

"میرے بھائی نے ـــــ ایسے بھی گناہ نہیں کیے وہ جبھی تم موبی کے لیے مانگ لینا۔ تین چار سال بعد موبی اس کے جتنا لگنے لگے گا۔" اور قبل اس کے کہ وہ زویا کو منہ توڑ جواب دیتی باہر سے آوازیں پڑنے لگیں۔

"زونی..... دیر ہو رہی ہے۔ باہر نکلو دونوں۔"

"میں جاتی ہوں۔ تم لوگوں کو دیر ہو رہی ہے۔" زویا کے باہر نکلنے سے پہلے وہ تیز قدم اٹھاتی باہر چلی گئی۔ زویا رکنے پر اصرار کرتی پیچھے پیچھے تھی۔ باقیوں نے بھی بہت روکا وہ قطعیت سے انکار کرتی اپنے پورشن کی طرف آگئی۔

☼ ☼ ☼

اور اس وقت اس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے جب یہی بجی سنوری پلٹن اس کے فوراً بعد ان کے پورشن میں پہنچی بالکل گھر والی گرمجوشی کا مظاہرہ یہاں بھی کیا گیا۔ حوریہ سے تائی اور نواسیاں یوں بھینچ بھینچ کر گلے ملیں کہ اسے ہڈیوں کے چٹخنے کا یقین آگیا۔ بڑا سا رالاؤنج اس فوج کے آجانے سے چھوٹا پڑ رہا تھا۔ بڑی فرصت سے تائی، بیٹیاں، نواسے نواسیاں جہاں جگہ ملی بیٹھ گئیں۔ جیسے یہیں تو آنا ہو۔

"کہیں یہ.....!" حوریہ کی سوچ کا دائرہ قدرے وسیع ہوا اور اتنا ہوا کہ اسے چکر سے آنے لگے۔

"عمر کے لیے مجھے، عمر نے مجھے، عمر کی پسند۔" ایک دم سے دماغ پر ہتھوڑے برسے۔ وہ بیٹھے سے کھڑی ہو گئی۔

"کیا ہوا، شرم آرہی ہے۔" زویا ساتھ چپکی بیٹھی تھی۔ شوخی سے پوچھا تو ہنسی کے فوارے گونج اٹھے۔

"ہاں اپنوں سے کیسی شرم بیٹھو بیٹھو، نئی بات نہیں کرنے آئے ہم۔" صائمہ باجی نے مصنوعی منہ پھلا کر کہا اور زویا نے بازو سے کھینچ کر دوبارہ بٹھا بھی دیا۔

"ارے پہیلیاں ہی بوجھواؤ گے یا بتاؤ گے بھی ..... یہ منہ کیوں رنگے ہوئے تم لوگوں نے؟" دادی کو اشارے سمجھ تو آرہے تھے پھر بھی سنوایا کہ رشتہ مانگنے کے تقاضے کچھ اور ہوتے ہیں۔

"بڑھاپے میں چونچلے سوجھ گئے۔" بڑی بہو سرخ لپ اسٹک میں پیاری بھی بہت لگ رہی تھیں۔ دل میں نظر اتاری پر اوپر سے منہ بگاڑا تائی خوشی سے بے حال ان کے گلے آلگیں۔

"اماں اکلوتے بیٹے کا رشتہ طے کرنے آئی ہوں۔ مت پوچھیے کتنی خوش ہوں۔" جواب میں دادی نے بھی جاندار قہقہہ لگا کر خوشی میں حصہ ڈالا اور حوریہ کا تو جیسے دل دماغ سب شل ہو گیا۔ کیا ہونے جا رہا تھا اس کے ساتھ یہ سوچ بھی دھڑام ہوئی کہ فی الحال دماغ پر وائرس حملہ کرچکا تھا وہ بھی عمر نام کا۔

"نہ تو میں دامن پھیلاؤں گی نہ کوئی تمہید باندھوں گی۔" تائی دادی کے پاس سے اٹھ کر بولتی ہوئی حوریہ کے قریب جانے لگیں۔ زویا اور ویرا ایک طرف ہو گئیں۔

"یہ میری بیٹی ہے۔ میرے عمر کے لیے بنی ہے..... اس لیے میرے ہی گھر آئے گی..... کسی نے اعتراض نہیں کرنا۔" تائی نے زرتار سرخ دوپٹہ کھول کر حوریہ کے اوپر ڈال دیا۔ وہ بے حس و حرکت جیسے بیٹھی تھی بیٹھی رہی۔ گویا بے جان ہو۔

"ارے عالمگیر کو تو آنے دو۔" دادی چیخیں۔

"ابو آئے بیٹھے ہیں۔ میں ابھی لے آتا ہوں انہیں۔" موبی کی خوشی کا عالم ہی اور تھا۔ قلانچ مار کے ابو کے اسٹڈی روم تک پہنچا کچھ دیر کے بعد ان کی وہیل چیئر گھسیٹا لا رہا تھا ابو کی ٹانگیں گزشتہ تین سالوں سے بے جان تھیں۔ انہیں فالج کے بعد آدھے دھڑ سے معذوری ملی تھی۔

"ہو کیا رہا ہے یہاں؟" حوریہ نے باپ کی خوشگوار آواز پر بھی سر نہیں اٹھایا۔

"ابو لگ تو یوں رہا ہے جیسے فلم کا سین ہو۔ تائی رشتہ مانگنے نہیں اغوا کرنے آئی ہیں۔" خود موبی بے یقین ہو رہا تھا۔

"کیونکہ مجھے یقین تھا مجھے انکار نہیں ہو گا۔" تائی



نے بڑا سا لڈو ابو کے منہ میں ڈال دیا۔

"عالمگیر کیا تم میرا مان توڑ سکتے ہو؟"

"بالکل بھی نہیں بھابھی ..... حوریہ آپ کی بیٹی ہے۔ میری تو خوش قسمتی کہ میری بیٹی کے نصیب اتنے اچھے ہیں۔ عمر سے بڑھ کر پیارا اور کون ہو گا۔" فرط مسرت سے ابو کی آواز رندھ گئی۔ موبی بے ساختہ ان سے لپٹ گیا۔

"بس تو پھر بے فکر رہیے، حوریہ میرے لیے میری بیٹیوں سے بڑھ کر ہے۔"

"اصل بیٹی ہی یہی ہے۔ اپنی تو پرائی تھیں۔" ایک بالکل غیر روایتی طریقے سے رشتہ طے کر لینے کے بعد روایتی باتیں دلاسے دیے جانے لگے۔ حوریہ نے سر اٹھا کر دیکھنے کی زحمت گوارہ نہیں کی۔ ان چمکتے چہروں میں اس کے امی ابو، موبی اور دادی کے چہروں کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ سب یوں خوش تھے جیسے اس رشتے کے انتظار میں ہی بیٹھے ہوں۔

"عمر بھائی خود کیوں نہیں آئے؟" موبی کو اس کی غیر حاضری شدت سے محسوس ہوئی۔

"شرما رہا تھا مشرقی بیٹا ہے نا۔" شارب کے کہنے پر ابو بھی مسکرا دیے۔

"بدتمیز۔" بڑی آپا نے بیٹے کو چپت رسید کی۔

"نہیں جانا تھا اس نے ہمیں البتہ آج کے دن کے لیے پابند کر گیا تھا کہ لازمی جانا حوریہ کو مانگنے۔" بڑی آپا خوشی خوشی بتا رہی تھیں۔ امی کی بھی بات بے بات ہنسی پھوٹ رہی تھی۔ حوریہ کا اچانک سے دم گھٹنے لگا کسی فلم کے سین کی طرح طے ہونے والا یہ رشتہ اس کا دماغ بند کر گیا تھا۔ کچھ دیر اور وہاں بیٹھتی تو یا زور زور سے رونے لگتی یا سب پر چیختی اور چونکہ فی الحال ایسا ٹھیک نہیں تھا۔ سو وہ سرخ دوپٹہ اتارتی سب کے بیچ سے اٹھ کر بھاگتی ہوئی کمرے میں گئی۔

"شرما گئی۔" دادی نے وہی کہا جو کسی فلم کے سین میں ہیروئن کے اٹھ جانے پہ کہا جاتا۔ اس کے دل کی حالت سے بے خبر یہ محفل کافی دیر تک جمی رہی۔

☼ ☼ ☼

پہلے اس ڈر سے کہ باہر کوئی سن نہ لے۔ وہ گھٹ گھٹ کر روتی رہی۔ پھر جب زویا اور ویرا جانے سے پہلے اس کا دروازہ بجا کر ملنے آئیں اور جواب نہ پا کر واپس چلی گئیں۔ تب اس نے مچل مچل کر رونا شروع کر دیا۔ رہ رہ کر اپنی بے بسی اور امی ابو کی جلد بازی پر تاؤ آرہا تھا۔ کیا وہ اتنی غیر اہم تھی یا عمر اتنا اعلا درجے پر فائز کہ سوچنا سمجھنا بھی ضروری نہ سمجھا گیا۔ جیسا تائی نے چاہا ویسا ہونے دیا گیا۔ بھلے عمر کتنا بھی اعلا ہو..... اس سے پوچھ کر فیصلہ کرنا والدین کا فرض بنتا تھا۔ ساری زندگی لاڈ اٹھانے والے زندگی کے اس موڑ پر آکر کیوں دھوکا دہی کے مرتکب ہوئے۔ کیوں عمر کو غیبی رشتہ سمجھ کر اہمیت دی گئی کہ بیٹی بھی بھول گئی۔ اس کی کوئی مرضی، کوئی پسند کوئی خواہش نہیں تھی؟ یا وہ بھی عمر پر فدا تھی کہ ماں باپ نے پوچھنا بھی گوارا نہ کیا باقاعدہ زور زور سے روتی ایک طرح سے وہ ماتم کرتی رہی۔ عمر اس کے نزدیک کچھ بھی نہیں تھا۔ پھر وہ عمر کو اتنا قریبی رشتہ کیسے بنا لیتی؟ یہی سوچتے، روتے اس کی آنکھ بھی لگ گئی۔ اور تب کھلی جب امی دروازہ بجا کر کھانے کے لیے بلا رہی تھیں۔

"حورا باہر آؤ۔ سب نے کھانا کھا لیا تم نے آج فاقہ کرنا ہے؟" وہ کسلمندی سے اٹھی کچھ دیر دماغ کو حاضر کرنے میں لگی۔

"میں کھا لوں گی۔" دل تو نہیں چاہ رہا تھا جواب دے لیکن دے دیا۔ امی وہاں سے چلی گئی تھیں کہ پھر ان کی پکار نہیں ابھری سر اور آنکھیں حد سے زیادہ بھاری ہو رہے تھے۔

"اتنی آسانی سے تو نہیں ہونے دوں گی یہ سب۔" دونوں کنپٹیاں سہلاتے وہ سوچ گئی کیا کرنا ہے۔ پھر ایک خیال آنے کی دیر تھی۔ فوراً بستر سے نیچے اتری چپل پہنی اور باہر نکل آئی حلیہ ایسا ہو رہا تھا جیسے دنگل لڑ آئی ہو بکھرے بال جنہیں اس نے ابھی سمیٹا اور لال سوجی آنکھیں غیر ارادتاً کچن میں جھانکا جہاں مٹھائی کے ٹوکرے اور ڈبے موجود تھے اور موبی ان کو حفاظتی زون میں رکھ رہا تھا۔

"آئیں بجو۔۔۔ آج تو آپ کو ان پہ اپنے نام کا ٹیگ لگانے کی ضرورت نہیں۔ سب کے سب آپ کے ہیں۔" وہ بہت خوش تھا یقیناً۔ عمر اس کے لیے کزن سے زیادہ بڑے بھائی جیسا تھا اور اب یہ رشتہ مزید مستحکم ہونے لگا تھا۔

"مجھے نہیں چاہیے۔" اس کی آنکھوں میں پھر سے آنسو چھلکنے لگے تھے۔ جنہیں اندر دھکیلتی وہ بڑے گھر یعنی تایا کے پورشن کی طرف روانہ ہوئی۔

☼ ☼ ☼

تائی کے یہاں ابھی بھی خوشی کا ماحول جوبن پر تھا۔ بڑی پلٹن شاید اندر کسی کے کمرے میں محفل سجائے بیٹھی تھیں۔ لاؤنج میں زویا' ویرا' مناہل وغیرہ کو دیکھ کر وہ قدرے سٹپٹا سی گئی۔

اس کو دیکھ کر ان کی چہچہاہٹ میں کئی گنا اضافہ ہوا۔ آئی جس عزم سے تھی۔ وہ زویا کی زبان سے "حوریہ بھابھی" تو باقیوں کی زبانی ماہی کا لفظ سن کر بری طرح سے ڈگمگا گیا۔

"ہم یہی کہہ رہے تھے۔ حوریہ بھابھی سے اکیلا نہیں بیٹھا جائے گا وہاں۔" حوریہ کی ٹی چند سیکنڈز تک تو بالکل گم رہی۔

"نہیں۔۔۔ وہ میں۔" پھر یہ سوچ کر کہ ابھی آر یا پار کر کے لازمی جانا ہے۔ اس نے کہنے کی ٹھانی۔

"عمر ہے؟"

"او۔۔۔ و۔۔۔ و۔" سب کی سب مزے سے گنگنا ئیں حوریہ انگلیاں چٹخانے لگی۔ اندازہ ہوا اب پہلے کی طرح عمر' عمر کرتی اس کے کمرے میں جانے والی بات ختم ہو گئی تھی۔ بھلے اس کا دل اس رشتے کے لیے راضی نہیں تھا پر باقی سب کے لیے نئی بات ہو گئی تھی۔

"ماموں بالکل ابھی ابھی آئے ہیں۔ جا کر دیکھو سو نہ گئے ہوں۔" مناہل کے تاثرات معنی خیز ہو رہے تھے۔ وہ نظر انداز کرتی عمر کے کمرے تک آئی۔ دروازہ کھلا تھا۔ وہ بغیر دستک دیے حسب عادت اندر داخل ہوئی۔ عمر کپڑے بدلے سونے کے چکروں میں تھا۔ اس پر نظر پڑی تو بے ساختہ ٹھٹک گیا۔ حلیے دونوں کے مختلف نہیں تھے۔ بس یہ تھا عمر کی تھکن پر سکون و اطمینان غالب تھا۔ اور وہ بے سکون ہو اجڑی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ عمر کو اندازہ تھا ردعمل کچھ ایسا دیکھنے کو ملے گا۔ سو نہایت اطمینان سے اس کو دیکھے گیا۔ جس کی آنکھیں کچھ زیادہ جان لیوا ہو رہی تھیں' عمر کو خود پہ قابو رکھنا مشکل لگنے لگا۔

"تم نے کس کی اجازت سے تائی لوگوں کو ہمارے گھر بھیجا؟" طیش و صدمے کا یہ عالم تھا کہ بولا بھی نہیں جا رہا تھا۔ آنکھیں الگ نم ہو گئیں۔

"اپنے دل کی۔" عمر نے بہت دھیمی نرم آواز میں جواب دیا وہ پلکیں جھپک جھپک کر آنسو پینے کی کوشش میں ہلکان ہو گئی۔

"کیوں۔۔۔ تم جانتے ہو میں تمہیں سخت ناپسند کرتی ہوں۔" وہ ہلکا سا چیخی عمر کا اطمینان جان جلا گیا تھا۔

"مگر میں جو تمہیں پسند کرتا ہوں۔"

"بھاڑ میں گئی تمہاری پسند۔" وہ چیخی۔

"جب تم جانتے ہو میں تمہیں ایز آ کزن برداشت نہیں کر سکتی تو شوہر کیسے مانوں گی تم نے کیوں کی یہ جرات؟"

"تم مجھے خود غرض سمجھ لو۔" عمر کا بس نہیں چلا اس کے گالوں پر پھیلتے آنسو اپنی ہتھیلیوں میں جذب کر لے۔ مگر کیا کرتا کہ فی الحال یہی بس اپنے بس میں نہیں تھا۔

"تم اس رشتے سے انکار کر دو۔ تائی کو منع کر دو۔" وہ آنسو پونچھتی انگلی اٹھا کر قطعی لہجے میں بولی۔

"میں کیوں کروں؟" عمر نے آنکھیں سکوڑلیں۔

"میں نے اپنی پسند سے رشتہ بھیجا ہے۔ میں کیوں انکار کروں؟"

"تمہارے نزدیک صرف اپنی پسند اہم ہے۔ یہ نہیں کہ میں تم کو ناپسند کرتی ہوں۔" وہ دبی دبی آواز میں چیخی تھی۔



"کہا نا۔۔۔ تم مجھے خود غرض سمجھ لو۔" عمر نے ان جالیوا آنکھوں میں دیکھ کر کہا تھا۔ جن میں یہ سننے کے بعد شعلے سے لپکنے لگے تھے۔

"وہ تو تم ہو۔۔۔ تم ہو خود غرض' غاصب' منافق' اپنے فائدے کے لیے اپنوں کا خون چوسنے والے۔" ایک دم سے وہ بھڑکی تھی۔

"تم نے خود کیوں نہیں انکار کر دیا؟ کوئی جبر کر رہا تھا تم پر؟ کر دیتیں انکار حق تھا تمہارا۔"

"تمہاری ماں نے ایسی مہلت دی ہوتی تو کرتی نا۔ ہو نا سب کے سب ایک جیسے۔۔۔ اپنی منوانے والے' کم تر کو روندنے والے۔۔۔ dominated' جان بوجھ کر ہم سے رشتہ جوڑا۔ ساری زندگی دبا کر رکھنے کے لیے۔۔۔ حکم چلانے کے لیے۔" عمر نے روکا نہیں۔ وہ بولنے پہ آئی تو کیا کچھ نہیں بول گئی۔ عمر ہونٹ بھینچے بغور اسے دیکھتا اور سنتا رہا۔ نہ نظروں میں تاسف ابھرا' نہ خشونت نہ رعونت۔ بلکہ محبت بھرا نرم تاثر مزید بڑھ گیا۔ دل کر رہا تھا خود سے لگا کر اس کے سارے گلے' شکوے' طعنے' وہم اپنے اندر سمو لے اور اس کو سکون و محبت سے مالا مال کر دے۔ مگر ضبط کیے کھڑا رہا کہ یہ چنگاری کو مزید ہوا دینے کا باعث ہوتا۔

"مگر میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔۔۔ میں تم سے کبھی شادی نہیں کروں گی۔" کچھ توقف کے بعد لمبی لمبی سانس لے کر خود پر قابو پاتے ہوئے یہ کہا اور جانے کے لیے مڑی۔

"اپنے انکار کی کوئی سولڈ وجہ بھی بتانا سننے والوں کو مجھے اولا' لنگڑا' اندھا کانا کچھ بھی ثابت ضرور کرنا۔" عمر نے نہایت سنجیدگی سے کہا تھا۔ وہ جاتے جاتے پلٹ آئی۔

"تم چاہے آب زم زم سے بھی دھل آؤ۔ میں تم سے شادی نہیں کروں گی۔" چبا چبا کر کہتی وہ زور سے دروازہ بند کرتی چلی گئی۔ عمر کو یہ اشارہ دے کر اسے ناپسند کرنے کی کوئی وجہ ہونا لازمی نہیں تھا۔ وہ اسے خوبیوں سمیت ریجیکٹ کر رہی تھی۔

"چلو۔۔۔" اس کے جانے کے کافی دیر بعد عمر نے جنبش کی۔

"تم اپنی نفرت کے ہتھیار تیز کرو میں اپنی محبت کے۔۔۔ دیکھتے ہیں جیت کس کی ہوتی ہے؟" وہ پر اعتماد تھا۔ سو بے فکر سا بیڈ پر گر گیا۔ جو خواب دیکھنے تھے ان کا تو ابھی ابھی حوریہ بھرکس نکال گئی تھی۔ فی الحال نیند آ جاتی غنیمت تھا۔

☼ ☼ ☼

اس دن عمر کے منع کرنے کے باوجود وہ کالج میں تھی۔ عمر نے موبی کے ذریعے کہلوایا تھا کہ کالج جانے کی ضرورت نہیں۔ ایگزام قریب ہے تو پڑھائی نہیں ہو رہی۔ وہ خود سارے مضامین کے سلیبس اور ڈیٹ شیٹ اس کے لیے لے لے گا۔ مگر وہ عمر کی بات پر کان دھر لے ممکن ہی نہیں تھا۔ عمر کو اچھی خاصی جھنجلاہٹ ہوئی تھی اسے کالج دیکھ کر گنے چنے اسٹوڈنٹس آئے تھے۔ گویا کوئی فائدہ نہیں ہوا تھا آنے کا بلکہ اپنی ضد سے عمر کو نیچا دکھانے کا منصوبہ بھی چوپٹ ہو کر رہ گیا۔ جب اکثر اسٹوڈنٹس واپس جاتے نظر آئے۔

"یار ہم بھی چلتے ہیں۔ دیکھو سب جا رہے ہیں۔" وہ چاروں بی ایڈ کی عمارت میں موجود تھیں۔

"ہاں واقعی چلتے ہیں۔" نصرت نے بھی ہاں میں ہاں ملائی مگر راشدہ متامل تھی۔

"ہم تو چلے جائیں۔ مگر یہ ایشوریا کی آنکھوں والی کس کے ساتھ جائے گی۔" ایشوریا کی آنکھوں والی حوریہ کالج میں مشہور کی جا چکی تھی۔ راشدہ کی بات پہ اسے بھی پریشانی لاحق ہو گئی۔

"میں نے تو موبی کو ایک بجے کا ٹائم دیا تھا۔" وہ اچھی خاصی روہانسی ہوئی۔

"بس تو ڈھائی گھنٹے بابو کا لیکچر سننا۔" رخشی کالج کے ملازموں کا کہہ رہی تھی۔ حوریہ کی شکل پہ ہوائیاں اڑنے لگیں۔ وہ تینوں ایک ساتھ رکشا میں آتی جاتی تھیں۔ اس کا گھر مخالف سمت میں تھا۔

"ایسا کیا مسئلہ ہے۔ تم بھی رکشا کرو اور چلی جاؤ۔"

رخشی نے چٹکی میں حل بتایا۔
"اکیلی؟" حوریہ کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔
"تو کھا نہیں جائے گا رکشے والا تمہیں۔ اکیلی لڑکیاں کہاں کہاں کا سفر نہیں کرتیں اور یہ کالج سے گھر تک نہیں جا سکتی۔" رخشی منٹوں میں طبیعت صاف کر دیتی تھی۔
"ہر کوئی تمہاری طرح سورما نہیں ہوتا۔" راشدہ نے بھی حساب برابر کر دیا۔
"بس تو پھر انتظار کرے بھائی کا۔" رخشی برا مان گئی

"میں اکیلی کیسے......؟" حوریہ کی جان پر بن گئی۔
"اچھا ایسا کرتے ہیں کسی سر سے کہتے ہیں۔ فون کرنے کا تم مولی کو بلوا لو۔" نصرت کا مشورہ برا نہیں تھا۔ وہ فوراً" مان گئی۔ اس نے اور نصرت نے نقاب ٹھیک کیا اور چاروں اپنی عمارت کی طرف واپس آ گئیں۔
"پرنسپل روم تو لاک ہے۔" حوریہ کی فکر میں اضافہ ہو گیا۔
"اسٹاف روم تو کھلا ہے۔" چاروں تیز قدم اٹھاتی ادھر چل دیں اور قبل اس کے کہ خود اندر جاتیں۔ عمر اچانک ہی باہر آ گیا۔ اچٹتی نظر حوریہ پر ڈال کر وہ جانے ہی لگا تھا کہ راشدہ نے پکارا۔
"سر...... سر پلیز۔" حوریہ سرتاپا سلگ گئی۔ گمان بھی نہیں تھا عمر بیٹھا ہو گا اور راشدہ مدد بھی اس سے مانگے گی۔ وہ خوامخواہ نیچے دیکھنے لگی۔
"سر آپ کے پاس سیل فون ہے؟"
"جی ہے۔" عمر کچھ کچھ سمجھ رہا تھا کیا معاملہ ہے۔
"سر یہ Ten مسئلہ بنی ہوئی ہے۔" راشدہ نے حسب عادت اپنے رنگ سے بات شروع کی۔
"Ten واقعی مسئلہ بنی ہوئی ہے۔" عمر کے دل نے چپکے سے راشدہ کے کہے کی تائید کی۔
"سر اس نے بھائی کو بلوانا ہے۔ تو آپ اس کے بھائی کو فون کر دیں کہ وہ آ جائے ابھی کیونکہ ہم سب بھی جا رہے ہیں۔" عمر نے بے ساختہ کچھ جتلاتی نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ ابھی بھی نیچے کہیں دیکھ رہی تھی۔ آج یہی حال ہونا ہے عمر کو یقین تھا۔ اس وقت وہ محض اس کی خاطر رکا ہوا تھا کہ سہیلیوں کے چلے جانے کے بعد وہ اسے اپنے ساتھ جانے پر آمادہ کر لے گا۔ یہ مولی کو فون کرنے کی بیچ کی راہ دماغ میں نہیں آئی تھی۔
عمر سے بات کر لینے کے بعد وہ چاروں اپنے کلاس روم میں آ کر بیٹھ گئیں۔ جب تک مولی آ نہ جاتا ان تینوں نے بھی نہیں جانا تھا۔
"ارے۔" دفعتاً" رخشی بولی۔
"تم نے سر عمر کو مولی کا نمبر تو بتایا ہی نہیں۔" رخشی نے وہ سرا پکڑا تھا جس کی طرف حوریہ تو کیا نصرت اور راشدہ کا بھی دھیان نہیں گیا تھا۔ ایک لمحے کے لیے تو حوریہ چپ سی رہ گئی۔
"نہیں...... میں نے بتایا۔" پھر تھوک نگل کر کمزور لہجے میں کہنا چاہا۔ پر وہ رخشی ہی کیا جو مان جائے۔
"تم نے نہیں بتایا پاگل۔" رخشی بال کی کھال نکالنے میں ماہر تھی۔
"ہے نا نصرت۔" ساتھ ہی اس نے نصرت سے بھی تائید چاہی۔ جو اثبات میں سر ہلانے لگی تھی۔
"چلو جلدی...... پہلے ہی دیر ہو رہی ہے۔ سارا کالج خالی ہو گیا۔ ایک ہم بیٹھے ہیں۔" رخشی کے پیچھے وہ سب بھی کلاس سے باہر نکلیں۔ حور مرے مرے قدم اٹھا رہی تھی۔ مولی کا نمبر اسے تو کیا اس کے فرشتوں کو بھی نہیں معلوم تھا۔ چاروں اسٹاف روم کے دروازے پہ آ کھڑی ہوئیں۔ اندر عمر بالکل "ویلا" بیٹھا تھا۔
"سر......" راشدہ کے پکارنے میں بھی اک ادا تھی۔ عمر مسکراہٹ چھپاتا ان کے پاس آیا۔
"سر یہ ٹین مسئلہ بنی ہوئی ہے۔" پہلے چکر والا جملہ راشدہ نے کراہ کر دوہرایا۔ عمر نے بے ساختہ مسکرا کر نظریں "ٹین" پر اٹھائیں۔ وہ حسب سابق جوتے دیکھنے میں لگی تھی۔
"کیا ہوا؟" وہ دانستہ اسے دیکھنے سے گریز کر رہی



تھی۔ گہری سانس لیتا وہ راشدہ سے مخاطب ہوا۔
"سر اس نے بھائی کا نمبر تو آپ کو بتایا ہی نہیں تھا۔" عمر کی مسکراہٹ ایک بار پھر عود آئی۔
"اب جلدی لکھواؤ بھی۔" راشدہ نے اسے ٹھوکا مارا اس پر گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ درنبویدہ نظروں سے عمر کو دیکھا اور پھر نظریں جھکا لیں کہ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔
"ایسا کریں...... آپ خود اپنے بھائی کو فون کر لیں۔"
عمر نے سیل نکال کر حوریہ کی طرف بڑھایا۔ ایک بڑی پریشانی ٹلی تھی۔ اس نے سکھ کا سانس لیتے ہوئے موبائل پکڑا محب کا نمبر Save تھا۔ اسے آنے کا کہہ کر اس نے موبائل عمر کو تھمایا اور رخ موڑ کر جانے کا قصد کیا ہی تھا کہ راشدہ نے ہاتھ سے پکڑ کر روکا۔
"شکریہ تو کہو۔" عمر کی آنکھوں کا نرم تاثر گہرا ہو گیا۔ اس کی طرف بنا دیکھے حوریہ نے تھینکس کہا تھا۔ عمر کوئی بات نہیں کہتا ان کے سامنے سے ہٹ گیا۔ مگر مولی کے آنے تک اسے یہیں ٹھہرنا تھا اس کا یقین حوریہ کو بھی تھا۔
"ویسے حور...... سر عمر کی شکل تمہارے بھائی سے بہت ملتی ہے۔" مولی جب پہنچا' رخشی نے عجیب سے انداز میں یہ کہہ کر اس کی سانس اٹکا دی۔ وہ جلدی جلدی اللہ حافظ کہتی مولی کے پیچھے بائیک پہ جا بیٹھی۔ رخشی نے بڑے غور سے دیکھا عمر کی گاڑی ان کی بائیک کے پیچھے اسٹارٹ ہوئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"بس۔" یوں تو دستگیر چچا جب سے آئے بیٹھے تھے مسلسل زبانی تیر چلا رہے تھے۔ مگر اب کے اس یک لفظی دھاڑ میں ایسا شعلہ اگلا کہ ابو' امی اور دادی تو اس کی لپیٹ میں آئے ہی۔ اپنے کمرے کی کھڑکی سے یہ سین ملاحظہ کرتی وہ بھی جل کر بھسم ہو گئی۔
"بس کر دیں اپنا دوغلا پن چھوڑ دیں یہ اداکاریاں۔ بہت بہل گیا میں آپ کے ان چکنے چپڑے ہتھکنڈوں سے اب ختم ہو گئی ہے میرے ضبط کی حد...... سامنے سے وار کریں' پیٹھ پیچھے چھرا گھونپنے کی عادت ختم کر دیں۔" دستگیر چچا کا لب و لہجہ اس قدر گستاخانہ تھا کہ وہاں موجود سبھی نفوس کے دلوں کو ٹھیس پہنچی۔
"تم کیا کہہ رہے ہو دستگیر۔" دادی کا گلا رندھ گیا۔ نامعلوم وہ کیسے برداشت کیے بیٹھی تھیں۔ حوریہ کو تو پکا یقین تھا اب کے تب ان کے حواس ساتھ ضرور چھوڑیں گے۔
"میں کیا کہہ رہا ہوں یا کیا کہتا رہا ہوں۔ آپ نے سچے دل سے سمجھنے کی کوشش کی ہوتی تو اس وقت یہ نوبت نہ آتی۔ میں آپ کے سامنے بیٹھا آپ کی زیادتیوں کے قصے نہ سنا رہا ہوتا۔" دستگیر چچا کی زبان یوں بھی خیر کے کلمے کم ہی پڑھا کرتی تھی۔ مگر آج تو حد عبور ہو رہی تھی۔ سر شام جب وہ یاسمین چچی کو سنگ لیے گھر میں داخل ہوئے...... دادی سے سر کی مالش کرواتی حوریہ ان کے دیکھتے ہی کھٹک گئی تھی۔ اس وقت سے اب تک چچا ایک ہی پہاڑہ پڑھے جا رہے تھے۔ چچی اپنی زبان شاید ان کو گھر سے دے کر آئی تھیں۔ نا صرف چپ تھیں بلکہ سارا زور آنکھیں میچ میچ کر آنسو نکالنے پر لگ رہا تھا۔
"گھر سے تو مجھے پہلے ہی دفعان کر چکے تھے...... اب رشتوں سے بھی دور کر لیا؟"
"آپ کو کسی نے گھر سے نہیں نکالا تھا دستگیر بھائی۔ آپ اپنی مرضی و خوشی سے الگ ہوئے تھے۔" یقیناً" ابو نے نہایت کوشش کے بعد تلخی چھپا کر احتراماً" جو سچ تھا وہ کہا...... مگر سچ بھی کبھی برداشت ہوا ہے۔
"مجبور ہو کر الگ ہوئے تھے۔ ماں باپ کی توجہ نہ بھائیوں بھابھیوں کا پیار...... اپنا ہوتے ہوئے بھی غیروں جیسا' سوتیلوں جیسا رویہ رکھا گیا۔ میں اور میری بیوی علحٰدہ رہ سکتے تھے مگر بچے نہیں صرف ان کی وجہ سے یہ انتہائی قدم اٹھایا کہ چلو دوری اہمیت بڑھا دے گی پر یہاں پر تو شکرانے پڑھے گئے...... ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہمیں دودھ کی مکھی سمجھ کر نکال دیا گیا۔" دستگیر چچا کے الفاظ نہیں چنگاریاں تھیں جو آنکھوں

میں پڑ رہی تھیں۔

"ایسا کچھ بھی نہیں ہے میرے چاند۔۔۔ کیوں تم نے اپنے اندر یہ زہر بھر لیا ہے۔ کیوں تمہیں میں اور بھائی اپنے دشمن نظر آتے ہیں۔"

"اس لیے کہ آپ ہیں۔ آپ ہیں ذمے دار۔ آپ ہیں فساد کی جڑ اولاد میں فرق رکھنے کی گناہ گار۔" بہت زیادہ ہو چکی تھی۔ دادی چھکوں پھکوں رونے لگیں۔ خنجر کے جیسے الفاظ ان کے دل میں کھب کر لہولہان کرتے جا رہے تھے وہ کیونکر نہ تکلیف محسوس کرتیں۔

"آپ کو کیوں یہ وہم ہو گیا ہے ہم آپ کو غیر سمجھتے ہیں ؟ کیوں آپ اتنے زہریلے ہو رہے ہیں ؟ آپ کو آپ کا حق جو بھی ہے نفع کے ساتھ ملتا ہے پھر کیا بات آپ کو اکساتی ہے۔"

"میرا حق۔۔۔" دستگیر چچا نے استہزائیہ چھوٹا سا قہقہہ لگایا۔

"میں کوئی بچہ نہیں ہوں جو لولی پاپ سے بہل جاؤں اور دکان تم دونوں کے حوالے کر دوں۔" دکان سے مطلب زمین جائیداد تھا۔ ابو بری طرح سے جزبز ہوئے۔

"چلو وہ ایک طرف، مجھے بتاؤ میرے بچے کیا اتنے نالائق، نااہل ہیں کہ نہ بڑے صاحب نے بیٹی مجھے دینا گوارہ کی اور نہ تم نے، ہوا بھی نہیں لگنے دی اور رشتہ کر دیا اس عمر سے۔" دستگیر چچا کو آج یہ غم یہاں لے آیا تھا۔ بڑے صاحب وہ تایا کو کہہ رہے تھے۔

"حالانکہ کتنی بار میں سنوا چکی تھی کہ حوریہ کو میں اپنے رافع کے لیے۔۔۔" یہاں تک کہہ کر چچی نے با آواز بلند رونا شروع کر دیا۔ امی اور دادی ہی نہیں حوریہ کے بھی حواس ڈھیلے پڑنے لگے۔

"میرے لیے تو رافع اور عمر ایک برابر ہیں۔ تم نے کبھی اشارہ بھی نہیں دیا۔ کہتیں تو کیا میں نہ سوچتی ؟"

"بس کریں۔۔۔ مت جھوٹ بولیں، مت گناہ گار ہوں اتنی کہ آخری سفر بھی نہ کر سکیں۔" چچا نے باقاعدہ زوردار آواز کے ساتھ ان کے سامنے ہاتھ جوڑ کر رنج سے چور لہجے میں کہا کہ دادی کے پیروں تلے سے زمین ہل گئی۔ حوریہ کا بس نہیں چلا دادی کو وہاں سے لے جا کر کہیں غائب کر دے۔

"آپ حد کر رہے ہیں دستگیر بھائی۔" اس دفعہ ابو نے اپنے لہجے کی تلخی چھپانے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

"جو تفریق آپ نے میرے اور میرے بھائیوں کے بیچ رکھی۔ وہی آپ عمر اور میرے بچوں کے بیچ رکھتی ہیں۔ دونوں بھائیوں کی بیٹیوں میں سے کسی کا رشتہ رافع کو نہ دینا اس بات کا ثبوت ہے۔"

"زویا کا ہاتھ جب تم نے مانگا تب اس کا رشتہ طے ہو چکا تھا اور حوریہ کے لیے بھی تم نے کبھی خواہش ظاہر نہیں کی۔ مجھے الہام ہوئے تھے جو میں عمر کو نہ کرتی اور تم کو ہاں۔" رونے کی وجہ سے دادی سے بولنا بھی مشکل ہو رہا تھا۔ امی کے منع کرنے کے باوجود بھی وہ تیز لہجے میں بولتی گئیں کہ غلط سنتے سنتے سماعتیں درد کرنے لگی تھیں۔

"یوں کہیں نا عمر آسمان اور میرا بیٹا زمین۔" بالآخر چچی کا جذباتی سین اختتام کو پہنچا۔ دادی کا تیز لہجے میں سنوانا انہیں رونا بھلا گیا۔

"تم جو چاہو کہو۔" دادی کو شاید اندازہ ہو چکا تھا کہ یہاں معاملہ بھینس کے آگے بین بجانے والا ہے۔ سو تھک کر اتنا کہا اور ہونٹ سی کر بیٹھ گئیں۔

یاسمین چچی کو لازمی ہتک محسوس ہوئی تھی۔ بلا تاخیر کھڑی ہو گئیں۔

"گھر چلیں۔۔۔ دیوار سے سر ٹکرانے کا کیا فائدہ! جب ہمدرد کوئی نہ ہو۔" دستگیر چچا بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

"جا رہے ہیں۔ آج سے مجھے مرا ہوا سمجھیں۔ تب تک جب تک رافع کے لیے حوریہ کا رشتہ نہ دے دیں۔" بڑی بے رحمی سے الفاظ کی مار مارتے دونوں میاں بیوی چلے بھی گئے۔ کب سے خود کو سنبھالے بیٹھی دادی کے اب ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑنے لگے۔۔۔ مولی بھی نہیں تھا۔ حوریہ نے بنا سوچے سمجھے بڑے گھر کی طرف دوڑ لگائی کہ شاید عمر موجود ہو دادی بے ہوش ہو چکی تھیں۔

☼ ☼ ☼

بے حد اچنبھے کے ساتھ اس نے پہلے دیوار گیر گھڑی کو دیکھا اور پھر موبائل کان سے ہٹا کر اس کو۔۔۔ رات کے پونے گیارہ بجے اور یہ غیر متوقع کال۔ یقین تو کیا ہی آتا پہلے صدمہ ہوا۔ دادی کی طبیعت ٹھیک ٹھاک خراب ہوئی تھی اور جس وجہ کو لے کر ہوئی تھی وہ اس وقت فون پر ہیلو ہیلو کر رہی تھی۔

"جی۔۔۔" اس نے بے حد کھٹے دل سے فون کان پہ لگایا۔

"تھینک گاڈ موبائل تمہارے پاس تھا۔" اور وہ راشدہ کو کوستے تھک نہیں رہی تھی جس کی اس وقت کال آئی تو امی موبائل اسے تھما گئیں۔ گھر بھر کے لیے یہ اکلوتا موبائل عمر کی دین تھا۔ جو اسے کہیں بھی لے جانے پر منع تھا مگر گھر میں وہ ضرور اس پر اجارہ داری قائم رکھتی اس پر بھی امی سے سخت سست سننا پڑتا۔

"کیا بات ہے۔۔۔ تمہیں نیند آ رہی ہے۔" رافع نے اس کی خاموشی محسوس کر لی تھی۔ اس نے گہری سانس لے کر خود کو بولنے پر آمادہ کیا۔

"جی۔۔۔ مجھے نیند آ رہی تھی۔" سفید جھوٹ بولتے ہوئے ذرا جو زبان لڑکھڑائی ہو۔ شام میں چچی، چچا جو حال دادی اور امی ابو کا کر گئے تھے اس کے بعد اتنا تو بنتا تھا۔

"تم شاید ناراض ہو ؟" دوسری طرف وہ بھی یاسمین چچی کا بیٹا تھا۔ اڑتی چڑیا کے پر گننے والا حوریہ نے جب بستر جالی۔

"تمہیں نہیں لگتا ہمارے ساتھ ناانصافی ہوئی ہے ؟" وہ الٹا مظلوم بن کر پوچھنے لگا۔ حوریہ نے بے ساختہ دانت پیسے۔

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ لوگ جس کی چاہیں پگڑی اتار دیں۔" وہ شدید برہم تھی۔

"جس کی نہیں صرف دادی اور تایا کی۔" رافع کو ندامت نہیں تھی۔ جان کر برہمی مزید بڑھی۔

"دادی ہم سب کی بزرگ اور اس خاندان کی سربراہ ہیں۔ چچا چچی نے غلط کیا جو کیا۔۔۔ اپنا درد رونے کے اور بھی طریقے ہوتے ہیں۔"

"جب چوٹ لگتی ہے تو تکلیف بھی ہوتی ہے اور چیخنا بھی پڑتا ہے۔" رافع ایک دم سے پٹڑی سے اترا۔

"تمہیں اتنا بتا دوں ہم اپنوں کے ڈسے ہوئے ہیں۔ اتنے زیادہ کہ اب جو اور جتنا بولیں وہ کم ہے۔"

"ایسا کیسا ڈسا ہے آپ کو اپنوں نے۔۔۔ کہ آپ دنیا والوں کے لیے اشتہار بن گئے ہیں ؟" اس کی جرح کے جواب میں دہاں۔۔۔ خاموشی چھا گئی تھی۔ اسے جب شرمندگی ہونے لگی کہ کچھ زیادہ بول گئی تب وہ بولا۔

"وہ مختلف لوگوں کے لیے کوئی ایک جیسا نہیں ہو سکتا۔ تمہارے لیے تایا کچھ تو میرے لیے کچھ اور ہیں۔ وہ مجھے کسی اینا کونڈا سے کم نہیں لگتے۔ جو ساری جائیداد پہ کنڈلی مار کر بیٹھے ہیں۔"

"مگر میں نے تو سنا ہے وہ سب کے حصے کی زمین دے رہے ہیں۔"

"اپنا فائدہ وصول کر کے۔" رافع تلخی سے ہنسا۔

"سب سے زیادہ زمین اپنے نام کروا رہے ہیں۔"

"آپ کو کیسے پتا ؟" اسے الجھن سی ہوئی۔

"بتا دیتے ہیں کچھ خیر خواہ۔۔۔ اور تمہیں یہ بھی بتا دوں بھلے وہ تم لوگوں کو تمہارا حصہ دینے کا ڈرامہ کر رہے ہیں مگر بہت ہوشیاری سے واپس بھی لے رہے ہیں۔"

"وہ کیسے ؟" حوریہ کا دماغ جھنجھنانے لگا۔ اس نے الجھ کر پوچھا۔

"تمہیں اپنی بہو بنا کر لازمی بات ہے تمہارا حصہ آٹومیٹکلی ان کے قبضے میں رہے گا۔ ورنہ تم خود سوچو جس عمر کے مشرق مغرب میں فینز ہیں۔ وہ تمہیں کیوں پسند کرے گا ؟" بڑی آسانی سے وہ اس نہج پر دماغ کو لگانے پہ تیار ہو گئی جس پہ لگانے کے لیے یہ باتیں کی جا رہی تھیں۔

"اور تم اتنی بے وقوف کہ تمہیں میری محبت اور

میرے ماں باپ کا خلوص نظر نہیں آیا اور اس عمر کے ساتھ شادی کی صورت میں وہ فائدے نظر آ گئے جو کبھی ملیں گے ہی نہیں۔" رافع کو زیادہ تردد نہیں کرنا پڑا وہ بہت کم وقت میں عمر اور تایا کے کچے چٹھے پر ایمان لے آئی تھی۔ درحقیقت رافع نے اس کی اسی سوچ کو پختگی عطا کی جو وہ تایا لوگوں کے لیے رکھتی تھی۔

"میرے ماں باپ اگر آج تمہارے گھر آ کر بیٹھے ۔۔۔ برے بنے تو صرف اس لیے کہ وہ تم سے محبت کرتے ہیں۔ شدید صدمے نے انہیں ایسا کرنے پر مجبور کیا کہ وہ تمہیں اپنے علاوہ کسی اور کی بہو بنتا نہیں دیکھ سکتے ۔۔۔ اس سے تمہیں یہ اندازہ ہونا چاہیے کہ ان کی محبت بہروپی نہیں، کھوٹ زدہ نہیں، وہ تم سے سچی محبت کرتے ہیں۔" اتنا کہہ کر رافع نے اچھا خاصا توقف کیا۔

"اور میں بھی۔" بعد ازاں بھاری سی آواز میں یہ کہہ کر فون کاٹ دیا۔ وہ ساکت و صامت موبائل پکڑے بیٹھی کی بیٹھی رہی۔

☆ ☆ ☆

کوئی لمحہ ہو تیرے ساتھ کا میری عمر بھر کو سمیٹ لے
میں فنا بقا کے سفر بھی اسی ایک پل میں گزار دوں

اپنے والٹ میں سجی حوریہ کی وہ تصویر ۔۔۔ جو اس نے خود حوریہ کی لاعلمی میں ۔۔۔ خود سے بڑی لبنیٰ باجی کی شادی پہ کیمرے میں مقید کی تھی ۔۔۔ فارغ وقت کے مشغلے کی طرح مبہم مسکراہٹ کے ساتھ دیکھتے ہوئے انہی لمحوں کے سحر میں گرفتار تھا۔ ذہن کے پردے پر کوشش کے باوجود بھی کوئی ایسا خصوصی واقعہ نمودار نہیں ہوتا تھا جس سے یہ ظاہر ہو کہ حوریہ اسے تب سے اچھی لگنے لگی تھی۔ حوریہ جیسی آج تھی۔ ویسی بچپن میں تھی۔ جھنجلائی، چڑچڑی، غصیلی، تنک چڑی اور ضدی ۔۔۔ شکل پر ہمہ وقت بارہ کا گھنٹا بجاتی۔ بہت بچپن سے ہی وہ اس کا مزاج آشنا ہو گیا تھا۔ وہ منہ سے نہیں کہتی تھی۔ مگر اس کا ہر ہر عمل بتاتا کہ وہ عمر سے اور اس کو ملنے والی اہمیت سے بدکتی ہے۔ کچھ اس میں امی کے اس رویے کا بھی عمل دخل تھا جو وہ اس کے ساتھ روا رکھتی تھیں۔ مونا کے بعد بیٹے کی شدید خواہش کے باوجود بھی حوریہ کی غیر متوقع پیدائش نے ان کے ارمانوں پر اوس گرا دی تھی۔ سو بیٹی ہوتے ہوئے مونا کو پہلی اولاد ہونے کا جو اعزاز و درجہ ملا تھا۔ وہ اس سے محروم رہی۔ یہ الگ بات تھی کہ ابو اور باقی گھر والوں کی وہ چہیتی تھی۔ مگر ہاتھ کا چھالہ والی بات جو عمر کا نصیب تھی۔

وہ اس کے حصے میں نہیں آئی۔ نتیجتاً ہر گزرتے دن کے ساتھ عمر اسے کھٹکنے لگا۔ عمر کا رتبہ وہ چھیننے کے قابل نہیں تھی ۔۔۔ مگر دوسری حرکتوں سے اس نے اپنے آپ کو نمایاں ضرور کر دیا۔ تب گھر کا ایک چولہا ہوتا تھا گھر میں رافع بھی تھا اولاد نرینہ مگر عمر آٹھ بہنوں کے بعد آیا تھا اور خدا کی کرنی اس کے بعد زویا پیدا ہوئی۔ یوں نو بہنوں کا اکلوتا بھائی ہونے کی وجہ سے جس گدی پر وہ بیٹھا اس پر رافع بھی نہ بیٹھ سکا۔ عمر صرف اپنے ماں باپ کا نہیں حوریہ کے امی ابو کی بھی آنکھ کا تارا تھا۔ نہیں تھا تو حوریہ کا یا پھر یاسمین چچی کا جو گلے اس کو عمر کے حوالے سے ہوتے وہی یاسمین چچی واشگاف سنوایا کرتیں۔ یاسمین چچی تب سے اس کی پسندیدہ ہو گئیں۔ اسے عمر کی ہر شے پر قبضہ جمانے کی خواہش ہوتی۔ محض اس کے چہرے پر مسکراہٹ کی ہلکی سی جھلک دیکھنے کی آس میں عمر کیا کچھ نہیں خود بخود اس پر قربان کر دیتا تھا۔ مگر وہ عمر سے ہتھیانے کے بعد اس کھلونے یا کھانے کی چیز کا حشر نشر کر دیتی اپنے پاس نہیں رکھتی تھی۔ اس کی اپنی دل جلانے والی حرکتوں اور اس غصیلی شکل کی وجہ سے وہ بھی ضد میں آنے لگا۔ جان بوجھ کر اسے تنگ کرتا اپنی اہمیت کو کیش کراتا اسے خود بھی نہیں پتا چلا کہ اس کا دل آیا بھی تو کہاں حوریہ کے ماتھے کی تیوریوں، سکڑی ہوئی بھنوؤں اور ہمہ وقت ناراضی میں ڈوبی سبز زمرد آنکھوں میں، جو ہمدردی بچپن میں اسے چیختے چلاتے، روتے دیکھ کر اٹھتی تھی۔ وہ محبت میں بدلی تو اسے وہ پیاری ہی ایسی روپ میں لگنے لگی۔ کاٹ کھانے کو لپکتی؟ پنجے جھاڑتی



بچپن میں وہ خود کو دی جانے والی اہمیت کا مداوا کرتا تھا جبکہ اب جان بوجھ کر ایسے موقعے تلاش کرتا جس سے وہ زچ ہو کر قتل کرنے تک آ جائے۔ یہ یقیناً "محبت کا نرالا انداز تھا اور اب وہ الٹا کھڑا ہو کر بھی اس کو اپنی محبت کا یقین دلاتا ۔۔۔ اسے کبھی نہیں آنا تھا۔

☆ ☆ ☆

"میں کہہ رہی ہوں آپ رافع بھائی کو ہاں کہہ دیں۔ میں عمر سے شادی نہیں کروں گی۔" اس کے فرمودات یوں بھی سکون کا باعث نہیں بنتے تھے۔ مگر اس وقت کا ارشاد حقیقتاً "زلزلہ" لے آیا۔ سب سے پہلا کام مونا نے لاؤنج کا داخلی دروازہ بند کرنے کا کیا۔ کم از کم بڑے گھر والے تو اس زلزلے سے محفوظ رہیں۔

"تم ہوش میں تو ہو؟" امی نے نا صرف دانت پیس کر غراہٹ نکالی۔ بلکہ آگے بڑھ کر زناٹے دار تھپڑ بھی دے مارا۔ دادی پر کپکپی طاری ہونے لگی تھی۔ پیاری پوتی کے یہ تیور ناقابل برداشت ہو رہے تھے۔

"ارے خالہ جان کیا غضب کرتی ہیں۔ ایسے معاملات یوں تھوڑی سنبھالے جاتے ہیں؟" زکی بھائی نے آگے بڑھ کر امی کو مزید حملے سے باز رکھا۔ ورنہ وہ جب بپھری ہوتیں۔ قابو میں آنے کا نام نہیں لیتی تھیں۔

"مجھے مت روکو زکی! مجھے پوچھنے تو دو یہ خناس اس کے دماغ میں کس نے بھرا ہے؟ ایسی کون سی گولی یاسمین بھابھی اور رافع نے اس کو کھلائی کہ یہ ان پر ایمان لے آئی؟"

"آپ لوگوں نے یہ خناس بھرا ہے۔" بنا ڈرے، گھبرائے وہ نڈر بن کر یوں بولی کہ دادی اور امی کے ہاتھ پیر ٹھنڈے کر گئی۔

"جانور سمجھ لیا تھا جو بنا پوچھے جس کھونٹے سے دل چاہا مجھے باندھنے پر آ گئیں۔ بیٹی نہ سہی انسان ہی سمجھ لیتیں۔"

"حوریہ۔" دادی بے جان ہونے لگیں۔

"حوریہ۔" جبکہ مونا نے بولنے کے ساتھ ہی ایک تنبیہی چپت بھی رسید کی تھی۔ مولی بھی "متاثرین زلزلہ" میں شامل منہ کھولے اسے دیکھ رہا تھا۔ ایک ابو تھے جو اس وقت باہر اپنے اور تایا ابو کے مشترکہ مردان خانے میں بیٹھے تھے۔

"اندھی تھی گونگی بہری تھی کیا؟ یا عمر میں ہیرے لگے ہوئے ہیں۔ جو آپ کی طرح مجھے بھی لبھا جاتے ۔۔۔ نہیں کبھی بھی نہیں میں بھی انسان ہوں میری بھی زبان ہے ایک بار مجھ سے پوچھ تو لیتے۔"

"مجھے چھوڑو زکی! مجھے جانے دو میں جانتی ہوں اس کی زبان، میں دیکھتی ہوں اس کو، نکالتی ہوں اس کی بے حیائی۔"

"کیوں؟" شدت غم سے وہ پھٹ پڑی۔

"ایسا کیا کہا ہے میں نے 'اپنا حق' استعمال کرنا بے حیائی ہوتی ہے۔"

"یہ بات نہیں ہے گڑیا۔ تم صرف یہ بتاؤ عمر میں کون سی برائی ہے۔ گھر کا لڑکا ہے۔ آنکھوں کے سامنے پلا بڑھا ہے سب سے بڑھ کر اپنے بیٹے جیسا ہے اس سے زیادہ اور کیا ڈیمانڈ ہوتی ہے۔" زکی بھائی کے منہ سے عمر کی سال خوردہ جملہ خوبیاں سن کر وہ پہلے سے زیادہ تلملائی۔

"میں صرف ٹوٹے ہوئے خاندان کو جوڑنا چاہ رہی ہوں۔ رافع بھائی سے شادی کے بعد سارا خاندان ایک ہو جائے گا۔"

"ٹھہر تو ۔۔۔" امی نے چپل اٹھالی تھی۔

"کہیں کی دمد منہ میں ابھی تیرے جگر سے یاسمین بھابھی اور رافع کا درد نکالتی ہوں۔" زکی بھائی نے امی کے ہاتھ سے چپل لے کر واپس اپنی جگہ پر رکھا۔ وہ فوں فوں کرتی اپنے کمرے میں جا گھسی پیچھے مونا، دادی کے تو مولی امی کے ہاتھ پیر سہلاتا رہا۔ جبکہ مونا مارچ پاسٹ کرنے لگی۔ سارا سکون تلپٹ ہو گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

رات میں زکی بھائی اور مونا دیر تک اسے کمرے

میں سمجھانے کی غرض سے رکے رہے۔ اس کی ایک ہی رٹ "عمر نہیں ۔۔۔ رافع۔" یہاں تک کہ زکی بھائی اور موناکے سر سے بھی دھواں نکلنے لگا۔

"ٹھیک ہے میری بہن جیسا تم چاہو مگر جس بہادری یا بے حیائی سے تم نے یہ انکار ہمارے سامنے کیا ہے۔ ایسے ہی ابو کے سامنے بھی کر دو۔ ہماری تو ہمت نہیں ان کی خوشی ملیا میٹ کرنے کی تم چونکہ اس معاملے میں ایکسپرٹ ہو تو تم کرو۔" موناتن فن کرتی چلی گئی۔ وہ نم آنکھوں میں بے بسی، بے چارگی سموئے زکی بھائی کو دیکھنے لگی۔ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

"ضد میں آکر نہیں ۔۔۔ ہوش میں رہ کر فیصلہ کرو۔ کوئی تمہاری مرضی کے خلاف نہیں جانے والا۔" وہ کمزور سی تسلی دیتے کمرے سے نکلے تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ کوئی سمجھ ہی نہیں رہا تھا اس کی بات ۔۔۔ وہ کیسے کسی ایسے شخص کے ساتھ زندگی گزارنے پر راضی ہو جاتی۔ جس کی دلی تمنا ہی اس کو نیچا دکھانے کی تھی۔ اور واقعی اس کی تمنا پوری ہو جاتی۔ اگر وہ گھر والوں کے سامنے گونگی بہری بنی رہتی۔ مگر زندگی بھر کا سوال تھا۔ اسے بھی اپنی انا عزیز تھی۔ اپنا وقار پیارا تھا ۔ وہ تمام عمر کے لیے ۔۔۔ ان کو داؤ پر نہیں لگا سکتی تھی۔ سو انکار تو کرنا ہی تھا۔

۞ ۞ ۞

"معاملہ گڑبڑ ہے۔" اس کا پہلا اشارہ عمر کو اس شام ملا جب وہ دوسرے سمسٹر کے پرچوں کے لیے کمپیوٹر سمیت تمام مضامین کے گیس لے کر اس کے سامنے آیا اور اس کی توقع کے برعکس حوریہ نے وہ کاغذ پڑھے بنا پرزے پرزے کر دیے۔ ایک لمحے کو تو وہ سکتے میں آ گیا۔ اپنے فائدے کے لیے وہ گدھے کو باپ بنانے والوں میں سے تھی۔ پھر آج جب وہ اس کا اتنا بڑا مسئلہ بن کے حل کر رہا تھا اس نے کسی لائق ہی نہیں جانا۔ کاغذ پرزے پرزے کرنے کے بعد اپنی دلکش آنکھوں میں غرور بھرے جتلاتے انداز سے اسے یوں دیکھنے لگی جیسے کہہ رہی ہو۔

"اب بولو۔" عمر نے فی الفور حیرت و الجھن پہ پردہ ڈالا اور بے حد شوخ و شریر نظروں اور مبہم دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ اسے یوں دیکھنے لگا جیسے کہہ رہا ہو۔

"یوں ہے تو یوں ہی سہی۔" اور اس وقت تک لطف لینے کے انداز میں دیکھتا رہا جب تک کہ وہ خود زچ نہ ہو گئی۔

"اپنی عنایتیں اپنے پاس رکھو کسی اور کے لیے کام آئیں گی۔" جھنجلاہٹ چھپاتے ہوئے ۔۔۔ دانت پیس پیس کر یہ کہا۔ عمر نے ہنوز مسکراتے ہوئے ہلکا سا سر خم کر کے گویا مشورہ قبول کیا۔ اس کے تو سر تا پا آگ لگ گئی۔ تن فن کرتی وہاں سے ہٹ گئی تھی۔ ابھی اس اشارے کی چبھن باقی تھی کہ اس نے کالج ٹرپ کے ساتھ جانے کا شوشا چھوڑ دیا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کون سا مری کاغان لے کر جا رہے ہیں اور جیسے بڑا اسٹینڈرڈ کا ٹرپ ہو گا نا۔" عمر نے کھل کر اعتراض کیا تھا۔

"تم کون ہوتے ہو مجھے منع کرنے والے؟" اس کے گھر میں اس کی امی کے سامنے یوں استحقاق سے منع کرتا عمر اسے زہر لگا۔

"حورا تمیز سے رہو۔" امی کو اس کی بدتمیزی تاؤ دلا گئی۔

"کیوں ۔۔۔ میں کہہ رہی ہوں نا میں جاؤں گی۔ یہ کون ہوتا ہے مجھے روکنے والا، خود اپنی یونیورسٹی ٹپس کے مشورے ہم سے لیتا تھا کیا۔" وہ واقعی بدلحاظ ہو رہی تھی۔ عمر کو بہت شدت سے محسوس ہوا۔

"اس یونیورسٹی اور اس کالج میں بہت فرق ہے۔ نام اور معیار اور اسٹوڈنٹس کا بھی۔"

"مت بھولو اس کالج میں میرا داخلہ تایا ابو نے کروایا ہے۔ اس کا اسٹینڈرڈ تم سے بہتر ان کو معلوم ہے اور اچھی دھونس ہے۔ ساری کلاس جا رہی ہے۔ مجھے روکا جا رہا ہے میں کیوں رکوں؟" عمر ہونٹ بھینچ کر اس کا یہ جارحانہ رویہ دیکھتا رہا۔

"کوئی وجہ ہو گی تو عمر منع کر رہا ہے۔" امی بہت ضبط



سے کام لے کر بولی تھیں۔

"کوئی وجہ نہیں سوائے اپنی اہمیت جتانے کے اور میں کہہ رہی ہوں میں تایا کے پاس چلی جاؤں گی۔" اور اس بات کا تو عمر کو بھی یقین تھا تایا اسے منع کرنے والے نہیں۔ یوں اس نے عمر کی ضد میں (کم از کم عمر کو ایسا لگا) آکر ۔۔۔ ٹرپ کی فیس بھی جمع کرا دی۔ یہ دکھ ابھی ہلکا نہیں ہوا تھا کہ اس دن چھٹی ٹائم کالج گیٹ پر رافع کو دیکھ کر عمر کھٹک سا گیا۔ اصل دھچکا تب لگا جب حوریہ اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھ کے یہ جا وہ جا بھی ہو گئی۔ پہلی بار صحیح معنوں میں اسے حوریہ کا یہ عمل غصہ اور تکلیف بیک وقت دے گیا۔ تادیر وہ اس منظر کی جلن محسوس کرتا رہا۔

حوریہ شام میں گھر واپس آئی تھی۔ اس دوران وہ کئی چکر تو اس کے پورشن کے لگا آیا تھا۔ پہلے کی طرح دستگیر کے گھر جا کر اسے واپس لانے کا بھی سوچا مگر نہ جانے کیوں کچھ نیا انوکھا لگ رہا تھا حوریہ کے جس قسم کے تیور ہو رہے تھے اس نے لازمی ساتھ آنے سے انکار کر دینا تھا۔ سو یہ ہتک سہنے سے بہتر اس نے انتظار کرنا سمجھا اور ابھی وہ اس کے پورشن میں بازپرس کی غرض سے جانے کا سوچ ہی رہا تھا کہ وہ خود آ گئی۔

"زویا کہاں ہے؟" لاؤنج میں موجود نوفل اور عمر پہ اچٹتی نظر ڈال کر وہ یہاں وہاں یوں دیکھنے لگی جیسے دیواروں سے پوچھ رہی ہو۔ عمر نے بے ساختہ مٹھیاں کھولیں اور بھینچیں۔ وہ بڑی لاپروا اور بے نیاز نظر آ رہی تھی۔

"ہم یہاں ہیں؟" زویا کچن سے چائے اور اسنیکس لیے برآمد ہوئی۔

"آپ فارغ ہو گئیں سنا ہے بڑی سیریں کرنے گئی تھیں؟"

"ہاں ۔۔۔ میں یاسمین چچی کے گھر گئی تھی۔" وہ جیسے جان بوجھ کر عمر کو جلانے کے موڈ میں تھی اور وہ واقعی جل گیا۔

"تم رافع کے ساتھ کیوں گئی تھیں؟" وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ حوریہ نے حسب عادت بھنویں سکیڑ لیں۔

"تم سے مطلب؟" وہی بدلحاظ اور چابک مارتا لہجہ۔

"مجھے تم کالج میں انٹروڈیوس نہیں کرا سکتیں اور رافع کے ساتھ بیٹھ کر چلی گئیں۔ آج تمہاری پارسائی پر حرف نہیں آیا تھا۔" دانت بھینچ کر اس نے یہ سب کہا تھا۔ نوفل اور زویا ہونقوں کی طرح بیٹھے تھے۔ نوفل چھوٹی آپا کا بیٹا تھا۔

"شٹ اپ۔" وہ پھنکاری تھی۔

"یو شٹ اپ۔" وہ اس سے بھی زیادہ زور سے گرجا۔

"تم میرے ساتھ کالج آنا جانا گوارا نہیں کرتیں۔ وہاں مجھے اپنا کزن بتانے پر تمہیں تکلیف ہوتی ہے اور رافع۔"

"بس ۔۔۔ چپ۔" ہاتھ اٹھا کر وہ اس زور سے چیخی کہ نوفل اور زویا بھی کانپ گئے۔ عمر بدستور شدید ترین ناگواری و ناراضی کے ساتھ اسے دیکھتا رہا۔

"رافع، رافع، رافع ایسا کون سا گناہ کر دیا میں نے اس کے ساتھ جا کر تم ہوتے کون ہو مجھ سے پوچھ گچھ کرنے والے۔ کزن ہے وہ میرا، چچی کے گھر گئی تھی میں۔"

"کزن تو میں بھی ہوں۔" بے حد سپاٹ گمبھیر آواز میں عمر نے جیسے یاد دلایا۔

"بلکہ کزن سے بڑھ کر ہوں۔" حوریہ کی دکھتی رگ پہ ہاتھ پڑا تھا۔ وہ بلبلا اٹھی۔

"جس رشتے کا ابھی کوئی نام ہی نہیں میں اسے کیوں خاطر میں لاؤں۔" عمر کو تو برا لگا ہی تھا۔ زویا کو بھی تیر کی طرح جا چبھا۔

"اور جس کی ریپوٹیشن کالج میں اتنی خراب ہو میں اسے اپنا کزن بتا کر دوسروں کو باتیں بنانے کا موقع کیوں دوں؟" اب کے زویا کی ہمت جواب دے گئی۔

"تم حد سے بڑھ رہی ہو۔" بھائی جوان بہنوں کے لیے اول، آخر تھا۔ اس کی بے عزتی کوئی یوں بلاوجہ کر دے کہاں برداشت ہوتا تھا۔ نوفل تک سن ہوا بیٹھا

تھا۔

"کیا کیا ہے میں نے ۔۔۔؟" زویا کے غصہ کو نظر انداز کر کے عمر سنجیدگی سے پوچھنے لگا۔ ایک لمحے کو تو وہ گڑبڑائی مگر پھر شروع ہو گئی۔

"جان بوجھ کر لڑکیوں سے فری ہوتے ہو۔ ان سے باتیں کرنے کے موقع ڈھونڈتے ہو۔ ان کے پرنسلز تک جاتے ہو اسی لیے تو اس جاب سے چمٹے ہوئے ہو۔ کسی تھرڈ کلاس کی طرح لڑکیوں کی کمپنی میں رہنے کے شوقین۔ فاریہ اور نگہت کو جن نظروں سے دیکھتے ہو پوری کلاس واقف ہے۔ سبق دیتے ہو مجھے پارسائی کے اپنا کردار چاہے جتنا کیچڑ میں خراب ہو۔"

"چپ ہو جاؤ ورنہ میں مار دوں گا۔" ایسی سرد' برفیلی آواز ۔۔۔ اور غضبناک ہوئی آنکھیں۔ حوریہ فوراً" چپ ہوئی تھی۔ عمر کی آنکھوں سے غصہ' ناراضی ایک ساتھ عیاں تھا۔ وہ کچھ گڑبڑا کر یہاں وہاں دیکھنے لگی۔

"اٹس ٹو مچ حوریہ یار۔" کب سے چپ بیٹھے نوفل نے آہستگی سے کہا اسے ایک دم سے لگا ماحول گمبھیر ہو گیا ہے۔ عمر کی نظروں کا غصہ' تاسف اور پھر دکھ میں بدل گیا۔ وہ اسے انہی دکھ بھری نظروں سے دیکھتا لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا کتنی دیر تک وہ ہل بھی نہ سکی ۔ پھر خیال آنے پر کہ زویا سے کام تھا۔ وہ قدرے نادم سے اس کی جانب مڑی۔

"وہ ۔۔۔ زویا۔" زویا کی ناراضی اس کے پورے وجود سے ظاہر تھی۔ وہ اس سے ہاتھ چھڑواتی بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں گھس گئی۔ نوفل کی موجودگی میں اپنے کیے کا یہ رد عمل ۔۔۔! وہ بری طرح سے پشیمان ہوئی۔

"یار اتنا تو بنتا ہے نا۔" نوفل نے جیسے اسے آئینہ دکھانا چاہا وہ بھاری دل و قدموں کے ساتھ لوٹ آئی۔

☼ ☼ ☼

اور پھر ۔۔۔ عمر نے وہ کیا جو اسے آج یا کل کرنا ہی تھا۔ حوریہ کے لیے "اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنے" والی بات ہوئی۔ کیا ضروری تھا وہ پنجابی فلموں کے ولنوں جیسے کرتوت دکھا کر عمر کو اتنا طیش دلاتی کہ انجام کار آج کا دن ہوتا؟ جب کہیں امان ہی نہیں مل رہی تھی۔ حالت یوں تھی کہ منہ سے نہ آہ نکل رہی تھی اور نہ ساہ (سانس)

جو واویلا ذرا سی سن گن ملنے پر کیا تھا ۔۔۔ اب وہ تو کیا خالی چوں کی آواز نکالتے ہوئے بھی دل سہم رہا تھا کہ اسے واویلے کے نتیجے میں موبی بلا جھجک عمر کو پکڑ کر اس کے سامنے لے آیا تھا۔

"اتنا کچھ ہونے کے بعد بھی دم خم باقی ہے؟" اس نے آتے ہی نہایت سنجیدگی سے طنز کا گولا پھینکا۔

"اس سے زیادہ کچھ کیا تو یاد رکھو' جب بیٹھے بٹھائے نکاح کرنے پر آسکتا ہوں تو رخصتی کی ڈیمانڈ کیوں نہیں کر سکتا۔" یہ برف جیسے الفاظ اور غیرت میں ڈوبا انداز ۔۔۔ حوریہ کا دم خم بھربھری مٹی کی طرح بیٹھ گیا۔

تب سے اب تک وہ ڈمی بنی بیٹھی تھی۔ آنکھیں تھیں کہ بار بار پانی پانی ہو رہی تھیں۔ بھیگی پلکیں صاف کرتے ہاتھ کسی سے پوشیدہ نہیں تھے مگر لگتا تھا کسی کو اس کی پروا تھی ہی نہیں۔ قسم قسم کے قہقہے' بھانت بھانت کی بولیاں' شور' ہنگامہ' ہلا گلا ۔۔۔ اتنا کہ کان پڑی آواز تک سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اس اچانک طے پانے والے نکاح میں باہر کے لوگ بالکل تھے ہی نہیں ۔ پھر بھی عمر کی بہنوں اور ان کے بچوں' موتا کے سسرالیوں کی وجہ سے گھر بھر گیا تھا۔ عمر کا نکاح معمولی بات نہیں تھی۔ سو خوشی کی حد بھی کوئی نہیں تھی۔ کیا بڑے کیا چھوٹے سب کو پکڑ پکڑ کر نچوایا جا رہا تھا۔ تائی تو تائی دادی تک تو نہیں بخشا گیا۔ جب بڑی آپا کھڑی ہوئیں تب سعید چلایا۔

"اچھا ۔۔۔ بھائی کی شادی پہ ڈانس ہو رہا ہے۔ بیٹے کی شادی یوں بھگتائی ۔۔۔ جیسے بیٹی رخصت کر رہی ہوں۔"

"ارے ایک ہی بھائی ہے میرا روز روز تھوڑی یہ دن آتا ہے۔" آپا بے حد نہال تھیں۔ غرض کوئی تھک ہی نہیں رہا تھا۔ ایک بیٹھ رہا تھا دوسرا اٹھ رہا تھا۔ اسی



دوران آنسو پونچھتی حوریہ کو دیکھ کر کوئی چلایا۔

"دلہن کیوں رو رہی ہے۔"

"ارے تو نو نندوں اور ۔۔۔ ساس کے شکنجے میں جا رہی ہے۔ روئے نہ تو کیا کرے بے چاری۔"

"نام کی نندیں ہوں گی ۔۔۔ پیار بہنوں والا دیں گی۔" زویا نے لپک کر اسے بھینچ لیا تھا۔ ناراضی و راضی سب اسی رات ڈھل گئے تھے۔

"ارے میری بیٹی تو یہی ایک ہو گی۔ گھر کی مالکن باقی سب تو اس کی مہمان ہوں گی۔ کسی کو جرات نہیں ہو گی کڑوی آنکھ سے بھی دیکھنے کی۔" تائی کتنی ہی بار تو اس کا ماتھا چوم چکی تھیں۔

"ماشاء اللہ پھر ٹھیک ہے۔ ایسا جنجال پورہ ہر لڑکی کا نصیب بنے۔" موتا نے طنزیہ پھلجھڑی چھوڑی کیا باتیں ہو رہی تھیں' کون سے ارادے بنے جا رہے تھے وہ دم سادھے' کان لپیٹے جیسی بیٹھی تھی بیٹھی رہی کب وہ حوریہ عالمگیر سے "حوریہ عمر" بنی ابو' امی کی آنکھیں خوشی کے احساس سے نم ہوئیں تو موبی اور دادی کے بلند آہنگ قہقہے کیوں چھت پھاڑ رہے ہیں۔ وہ بے جان مورت بنی سب سے لاعلم رہی محض اپنی بے وجہ کی انا کے ہاتھوں۔

☼ ☼ ☼

"بات سنو ۔۔۔" رات کے نہ جانے کس پہر اپنی قسمت پر ماتم کناں ہوتے اس کی آنکھ لگی تو ضرور مگر دماغ میں ابھی تک نکاح کے وقت والی بے ہنگم آوازیں گونج رہی تھیں۔ اس قطعی اجنبی' بے ڈھب آواز کو بھی اس نے انہیں آوازوں پر محمول کیا۔

"او ۔۔۔ اٹھو۔" کوئی اسے جھنجھوڑ رہا تھا۔

"ایسے تو ساری رات نہیں اٹھے گی۔ اٹھا کر لے جاؤ ٹائم ضائع ہو رہا ہے۔" ایک اور ناگوار دبی دبی آواز قریب سے سنائی دی۔ خمار آلود آنکھوں کو بمشکل دیکھنے کے قابل بنایا۔ دو اجنبی چہرے بالکل پاس تھے۔ شاید تھکاوٹ اور گریہ زاری کا اثر تھا کہ اس کے حواس ابھی بھی نہ جاگے۔

ایک نے اسے پکڑ کر جھٹکے سے کھڑا کیا تب نیند ہی نہیں ہوش بھی اڑ گئے۔ دوسرے نے اسے منہ پر ہاتھ رکھ کر زبردستی گھسیٹنا شروع کر دیا۔ اس گینڈے جیسے کے سامنے وہ کچھ بھی نہیں۔ با آسانی ۔۔۔ چلی گئی۔ باہر صحن کا منظر ہے سے اوسان خطا کر گیا۔ رافع ابو پر بندوق تانے ہوئے تھا۔ اس کی جسمانی حرکت سے واضح لگ رہا تھا وہ ہوش میں نہیں۔ اجنبیوں نے اسے بس اتنا ہی دیکھنے دیا۔ پھر گھسیٹتے ہوئے بیرونی گیٹ پار کر گئے۔ باہر کار ڈرائیور سمیت موجود تھی۔

☼ ☼ ☼

"آج گیٹ کو تالے شالے نہ لگاؤ۔ آج میرے بچے کا نکاح ہوا ہے۔ میرے گھر خوشیاں آ رہی ہیں۔" نکاح کی رسم کے بعد جب واپسی ہوئی۔ تائی اماں نے کھنکتی آواز میں حکم جاری کیا۔

"ہائیں۔" مہندی لگواتی زویا نے آنکھیں پھاڑ کر عروبہ کو دیکھا۔

"یہ کیا لوجک ہوئی ۔۔۔ خوشیاں تو آئیں ۔۔۔ چور ڈاکو بھی ساتھ آئیں۔ بیٹے کا نکاح ہوا ہے۔ وہ بھی دعوت کھائیں۔" سن کر تائی تو دہل گئیں۔ مینا آپا نے دور سے چپل پھینکا تھا۔ وہ کچھ زیادہ ہی نشانے پر جا لگا یعنی زویا کے مہندی لگے ہاتھ پر اس کی شکل دیکھنے کے لائق ہو گئی۔

"زبان کو سنبھال کر بات کیا کرتے ہیں۔" افسوس تو آپی کو بھی ہوا مہندی خراب کرنے پر مگر ظاہر کیوں کرتیں۔ تبھی عمر بھی آ گیا۔

"تمہارا نکاح تھا۔ اور شکل یوں بنا رکھی ہے جیسے قید کی سزا ملی ہو۔ ادھر تمہاری دلہن بھی روتی رہی تھی۔" وہ آتے ہی نیچے کارپٹ پر لمبا ہو گیا۔

"اس کو کس چیز کی سزا مل رہی تھی؟ مجھے تو ان کے ہزبینڈ نے اپنی زمینوں میں پھنسا لیا۔" اس کا اشارہ تائی کی طرف تھا۔ جن کی ممتا اس کے تھکے' ستے ہوئے چہرہ کو دیکھ کر اڈنے لگی۔

"کہا بھی تھا اگلے ہفتے نکاح کا پروگرام رکھتے ہیں۔

پورے دھوم دھام سے کریں گے۔ پر تم ہی کو شوق تھا آج کے آج ہونا چاہیے۔ سارا دن گاؤں رہے عین ٹائم پہ پہنچے، نہ دولہا نے منہ دھویا نہ دلہن نے۔ مووی میں دیکھنا اپنی شکلیں۔"

"اچھا بس۔۔۔ اب بند کرو یہ سب سونے کی کرو۔ میرا بچہ اتنا تھک گیا ہے۔ باپ کو پتا بھی تھا آج نکاح ہے پھر بھی اس کو گاؤں بھیج دیا۔" کچھ امی کی جھاڑ کچھ بچوں کی ریں ریں سب تتر بتر ہو گئے۔ لمحوں میں سب کے سب کمروں میں جا چکے تھے۔ عمر صوفے پر نیم دراز ٹی وی کے چینل گھما رہا تھا۔ گرم دودھ اور فوراً" سونے کی ہدایت دینے کے بعد تائی بھی اپنے کمرے میں جا چکی تھیں۔ وہ خالی الذہن سا ٹی وی اسکرین پر نظریں جمائے رہا۔ حوریہ کا رویہ ٹھیک طرح سے خوش بھی نہیں ہونے دے رہا تھا۔ اطمینان اور سکون تو دور کی بات تھی۔

یوں ہی ٹی وی پر نظریں جمائے اسے نیند آنے لگی تھی۔ ٹی وی بند کرنے کا خیال بھی نہیں آیا۔ اس کی آنکھیں پہلے بند ہونے لگیں۔ معاً" عجیب قسم کی آوازوں نے فوراً" نیند کا زور توڑا تھا۔ یوں ہی لیٹے لیٹے عمر نے محسوس کیا۔ آوازیں چچا کے پورشن سے آرہی تھیں۔ جیسے دھکم پیل کی ہوتی ہیں۔ ہاتھا پائی قسم کی ٹی وی آف کرتا وہ تیزی سے وہاں بھاگا۔ صحن میں موبی اور رافع گتھم گتھا تھے۔ بندوق نیچے گری پڑی تھی۔ چچا قریب ہی وہیل چیئر پر بے بسی کی تصویر بنے بیٹھے تھے۔ عمر نے بھاگ کر رافع کی گردن دبوچی تھی۔ ساتھ ہی موبی کو اپنے پورشن میں موجود تایا اور اپنے بھانجوں کو بلانے کے لیے دوڑایا تھا۔

☼ ☼ ☼

"میں نے اس کو اٹھوایا ہے۔ میری منگیتر ہے وہ۔ اس کا نکاح کسی اور سے کیوں ہو؟" عمر نے کس کر ایک گھونسا رافع کے جبڑے پر مارا یہ کچھ زیادہ زور سے لگا کہ اس کے منہ سے خون بہنے لگا۔ تابڑ توڑ مکوں اور گھونسوں کی بوچھاڑ کے باوجود بھی وہ نہیں بتا رہا تھا کہ حوریہ کہاں ہے۔ تایا، تائی کے ساتھ دستگیر چچا بھی آ گئے تھے۔ ان کے سامنے بیٹے کی پٹائی ہو رہی تھی۔ جو نشے میں غرق حوریہ کو اغوا کرنے آیا اور ابو کو جگا کر بڑھکیں مارنے لگا کہ "تمہاری آنکھوں کے سامنے تمہاری بیٹی لے کر جا رہا ہوں۔ کر لو جو کر سکتے ہو۔" امی موبی کو جگا چکی تھیں۔ جس کے دبلے پتلے جسم میں جانے کیسی طاقت سمٹ آئی تھی کہ اس نے اپنے سے دگنے رافع کو ایسا قابو کیا کہ عمر کے آنے تک نہ چھوڑا امی اور دادی کی سدھ بدھ ایسی ختم ہوئی کہ نہ خود بھاگ کر بڑے گھر کسی کو بلانے گئیں نہ موبائل سے بات کرنے کا خیال آیا۔ بس کھڑی روتی رہیں۔ یہ تو عمر کی سماعتوں نے کمال کیا اور وہ موبی کا مددگار بن کر آ گیا۔

اب رافع کی کسی روئی کی طرح دھنائی ہو رہی تھی۔ انت میں عمر نے باقاعدہ ڈنڈا اٹھا لیا کہ یہ نہیں بتا رہا تو وہ اس کی ٹانگیں توڑ دے گا تب وہ چلایا۔

"بتاتا ہوں، بتاتا ہوں۔ مجھے چھوڑ دو، مت مارو، میں بتاتا ہوں۔" اس کے منہ سے خون اور رال ٹپک رہی تھی۔ عمر نے برآمدے کے پلر سے بندھے اس کے ہاتھ کھول دیے۔

"مجھے ساتھ لے کر چلو۔" اس پر پانی سے بھری بالٹی پھینکنے کے بعد عمر غرایا تھا۔ اس کے سب سے بڑے بہنوئی یوسف ڈی ایس پی تھے۔ عمر اور وہ چند سپاہیوں کے ہمراہ رافع کو ساتھ لیے حوریہ کا اتا پتا کرنے چل دیے۔ پیچھے تایا نے دستگیر چچا کی کلاس لینی شروع کر دی۔

☼ ☼ ☼

رو رو کر اس کا گلا بیٹھ گیا تھا۔ نہ دوپٹہ، نہ پیروں میں کچھ۔۔۔ وہ ننگے سر اور ننگے پیر آئی تھی۔

"مجھے جانے دو۔ پلیز مجھے جانے دو اللہ کا واسطہ، رحم کرو۔ میں نے کیا کیا ہے۔" منتیں، ترلے، التجائیں کچھ بھی ان دونوں پر اثر انگیز۔۔۔ نہ ہوئیں۔ اسے کمرے میں بند کیے وہ آپس میں نیچی آواز میں کھسر پھسر کرتے رہے۔ رات شاید جلد ہی صبح کے اجالے



میں بدلنے والی تھی۔ یعنی اس کی قسمت کی سیاہی خود رات بننے والی تھی۔ وہ اتنا روئی کہ اب آنسو بھی نہیں نکل رہے تھے۔

"بھائی پلیز مجھے جانے دو۔ پلیز اللہ کا واسطہ۔" اور جب اسے یقین آگیا کہ اب سب ختم جو بیس سالہ زندگی میں دیکھا جیا۔ وہ پیچھے رہ گیا۔ اب زندگی نیا اور تکلیف دہ موڑ مڑنے لگی ہے۔ تب بیرونی دروازہ ٹوٹنے اور بہت سے قدموں کی آواز ابھری۔ پولیس اللہ کی مدد کی شکل میں آن پہنچی تھی۔ ساتھ عمر اور رافع بھی تھے

☼ ☼ ☼

"جو زہر اپنی ماں، بھائیوں کے خلاف تمہارے دل میں تھا۔ وہی تم نے اپنی اولاد کے اندر بھی بھر دیا۔ تبھی تو اس نے آج ہمیں ڈسا تم جیسے شیطان کی اولاد شیطان ہی ہو سکتی تھی۔"

"آرام سے۔۔۔ آہستہ۔" تائی نے بے ساختہ تایا کا بازو ہلا کر ٹھنڈا کرنا چاہا۔ جن کی قوت برداشت جواب دے چکی تھی۔

حوریہ کی بخیر و عافیت واپسی کے بعد بھی سبھی ان کے پورشن میں موجود تھے۔ یاسمین چچی بھی آ چکی تھیں۔ اور صورت حال کی نزاکت کو سمجھے بنا بہت بری ناگوار شکل بنائے ہوئے تھیں۔ رافع ۔۔۔ اتنا لہو لہان تھا کہ دیکھ کر ان کا خون کھولنا ہی تھا۔ دادی بے آواز روئے جا رہی تھیں۔ امی، زوبا، مینا آپی اور لبنیٰ باجی اندر حوریہ کے پاس تھیں۔ جسے کچھ دیر پہلے لگ رہا تھا کہ آنسو ختم ہو گئے۔ مگر گھر واپس آکر اپنوں کی شکل دیکھ کر اتنا چیخ چیخ کر روئی کہ ابو اور تایا تک رو دیے۔ تسلسل بے آرامی اور رونے کی وجہ سے اسے بے حد تیز بخار ہو گیا تھا۔ یہاں بھی ارجنٹ ڈاکٹر دستیاب ہو گئے۔ لبنیٰ باجی کے خاوند کی شکل میں جن کی تجویز کردہ دوائیں عمر اس وقت لینے گیا ہوا تھا۔

"جتنا ہم نے اچھا بننے کی کوشش کی، جتنی نیکیاں کرنے کی کوشش کی۔ تم نے اتنا ہمارے منہ پر تھوکا۔ اتنا ہی ہمیں بدنام کیا۔ ہمیں سوتیلا نہ جانے کیا کیا نہیں مشہور کیا۔ ہم نے پھر بھی برداشت کیا۔ چپ رہے مگر یہ حد۔۔۔ کہ تمہارا بیٹا اپنے ہی خاندان کی عزت کو زک پہنچانے تک آجائے۔۔۔ بہت زیادہ ہے۔" تایا بہت بارعب تھے مگر یوں غصے کا اظہار کم کم کرتے تھے۔ دستگیر چچا سے نظریں ملانا دشوار ہو رہا تھا۔ یاسمین چچی کی تیوریاں ضرور گنی جا سکتی تھیں۔ واضح عیاں تھا کہ انہیں اپنے بیٹے کی درگت کا ملال کھائے جا رہا تھا حوریہ پر کیا بیتی۔ اس کی انہیں فکر نہیں تھی۔

"اب یہی ٹھیک ہے۔ تم نے سوتیلا، غیر بننا چاہا۔ میں تمہیں سوتیلا اور غیر بناتا ہوں۔ آج کے بعد تمہاری ہماری ختم۔۔۔ نہ تمہارے گھر میں سے ہمارے گھروں میں آنے کی کوئی جرات کرے گا۔ نہ ہمارے گھر کا کوئی تمہارے گھر جائے گا۔ ہم مر گئے ایک دوسرے کے لیے۔۔۔ میں نے بہت نیک نیتی سے کوشش کی تمہیں ساتھ لے کر چلنے کی تمہارے شکوے شکایتیں دور کرنے کی، ضرورت سے زیادہ تمہارا پیٹ بھرنے کی۔ اس باوجود بھی تم عورت کے اشاروں پر چلتے رہے۔ ہم پر کیچڑ اچھالتے رہے اور اب جب ہماری عزت کے درپے ہو گئے ہو تو بس ختم۔" تایا کی بھاری آواز میں کہے گئے الفاظ نے دستگیر چچا کو سر اٹھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔ جس وقت وہ اور چچی رافع کو سنبھالے گھر کی دہلیز پار کر رہے تھے۔

دادی کی دبی دبی سسکیاں اونچی ہوتی جا رہی تھیں۔ وہ ماں تھیں۔۔۔ بیٹا پہلے بھی انہیں کم عزیز نہیں تھا۔ آج بھی اتنا ہی پیارا تھا۔ مگر دل پہ پتھر رکھ کر انہیں ناراضی دکھانی ہی تھی۔

☼ ☼ ☼

روشن، چمکتی ہوئی، ٹھنڈی دھوپ۔۔۔ کالج کے وہ جانے پہچانے کاریڈوز اور دور پروفیسرز کے ساتھ کھڑا عمر اسے سب کچھ بالکل نیا، اجلا اور اچھا محسوس ہوا۔ عمر اس کی طرف متوجہ نہیں تھا اور وہ جانتی تھی ایسا وہ دانستہ کر رہا تھا۔ اس کے اغوا کے بعد سے دونوں کے بیچ بول چال بند تھی۔ وہ تایا کے گھر کئی کئی گھنٹے گزار آتی۔ اول تو عمر ہوتا ہی نہ۔۔۔ یا آبھی جاتا تو مکمل طور پر نظر

انداز کردیتا۔ آج کالج میں بھی یہی ہو رہا تھا۔ رزلٹ کے بعد نئی کلاسز کے آغاز سے پہلے آج ان کا ٹرپ جا رہا تھا۔ اسے بالکل بھی خواہش نہیں تھی جانے کی مگر سب نے اصرار کرکے بھیجا کہ اس سے اس کا ذہن تھوڑا بٹ جائے گا۔

"اوئے۔۔۔ سر عمر بھی جا رہے ہیں۔" رخشی ہانپتی ہوئی اپنے ساتھ گویا خوشخبری بھی لائی۔ وہ چونک کر حواسوں میں لوٹی۔ اسے خود کو بھی نہیں پتا تھا اور وہ اتنی دیر سے ٹکٹکی باندھے عمر کو دیکھے جا رہی تھی۔

"خوش تو یوں ہو رہی ہو جیسے سر عمر تمہاری خاطر جا رہے ہوں۔" راشدہ کو رخشی کی خوشی کچھ خاص نہیں بھائی۔

"سوچنے میں کیا جاتا ہے۔" رخشی نے گردن اکڑائی یوں بھی کمپیوٹر کے پیپر میں عمر نے سب سے زیادہ اسے نمبر دیے تھے۔ وہ اگر ایسا سوچ لیتی تو یقین کرنے والی بات بھی تھی۔

"بو تھی دھوئی تھی صبح؟" راشدہ نے بھنویں چڑھا کر بالکل دشمنوں کی طرح رخشی کو دیکھا۔

"دھلی ہوئی بھی لگ رہی ہے اور میک اپ زدہ بھی۔" نصرت نے ہنستے ہوئے اپنا ٹھیک انداز بتایا۔ واقعی رخشی نے میک اپ کر رکھا تھا۔ حوریہ چپ چاپ ان کی سنے گئی۔ عمر صرف اس کے لیے جا رہا ہے یہ بات وہ ان کو کہاں بتا سکتی تھی۔ پیپرز کے بعد عمر یہاں سے فارغ ہو چکا تھا۔ آج وہ ان کے ساتھ جا تو ٹرپ پہ رہا تھا مگر اپنی گاڑی پر۔ ایک دو پروفیسرز بھی اس کے ساتھ بیٹھ گئے تھے۔ کالج بس کے پیچھے اس کی گاڑی روانہ ہوئی تھی۔ سارا رستہ راشدہ، رخشی پر چوٹ کرتے نہ تھکی۔

"سر عمر کی گاڑی دیکھ کر تمہاری باچھیں کھل گئیں۔۔۔ کوئی تمہیں بٹھانے کے لیے لائے تھے؟"

"جلنے والے کا منہ کالا۔" آج رخشی کو کچھ بھی برا نہیں لگ رہا تھا۔

"اللہ کی شان۔" اسی نوک جھوک میں سفر کٹنے کا پتا بھی نہ چلا۔ ☼ ☼ ☼

مگر واپسی کا سفر کسی سزا جیسا ہو گیا۔ یوں تو دونوں شہروں کا فاصلہ تین گھنٹوں سے زیادہ کا نہیں تھا۔ مگر ایک تو انہیں واپسی آتے آتے دیر ہو گئی۔ پھر یہ مشہور زمانہ روڈ حسب معمول بلاک تھا۔ نتیجتاً" ساری بسیں قطار در قطار ٹریفک کے پیچھے رکتی گئیں۔ اور اب رات کے گیارہ بھی بج چکے تھے۔

"اب کیا ہو گا؟" لڑکے سارے نیچے اتر چکے تھے۔ لڑکیاں بھی ایڈونچر کے شوق میں زیادہ پریشان نہیں تھیں مگر حوریہ سراسیمہ ہو گئی۔

"انتظار۔" راشدہ کو اپنی بیٹیوں کی فکر تھی۔ جنہیں وہ ساس کے حوالے کر آئی تھی۔ یقیناً" اتنی دیر کی واپسی پر ساس نے گنجا تو ضرور کرنا تھا کہ اس عمر میں چوچلے۔۔۔ حوریہ نے شیشے کے پار نظر دوڑائی۔ اس کی کلاس کے لڑکوں کے علاوہ باقی لوگ بھی ٹھہرے تھے۔ مگر عمر نظر نہیں آ رہا تھا۔

حوریہ کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں جب گھڑی نے ایک بجایا۔

"یار کوئی کوشش بھی نہیں کر رہا یہاں سے نکلنے کی۔" وہ حقیقتاً" پچھتا رہی تھی۔

"کیسے کوشش کرے۔ آگے دور تک قطار ہے۔" مگر کسی تک اس کے دل کی بات پہنچ چکی تھی۔ وہ بس تھی "ٹرک تھا یا کوئی ویگن۔ اندازہ لگانے کی مہلت ہی نہ ملی۔ جیسے ہی گزری اس کی بس کے کھڑکیوں کے شیشے تڑاتڑ ٹوٹ گئے۔ بلند آہنگ چیخوں کی ایک سیریز تھی جس نے سڑک پر موجود ساری ٹریفک کو ہلا ڈالا۔

"عمر۔۔۔ عمر۔" اور لڑکیاں صرف چیخ رہی تھیں۔ وہ نا صرف چیخی بلکہ زور زور سے روتے ہوئے پکارنے بھی لگی۔ پروفیسرز اور چند اسٹوڈنٹس پہلے ہی بس پر چڑھ آئے تھے۔ اس زوردار پکار کے بعد عمر جہاں کہیں بھی تھا۔ دوڑتا ہوا بس میں چڑھ آیا۔ وہ ابھی تک کانوں پہ ہاتھ رکھے "عمر عمر" کیے جا رہی تھی۔

"حورا۔۔۔" اس کے بالکل نزدیک آکر عمر نے دھیمی آواز میں پکارا تھا۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑتی فوراً" کھڑی ہوئی تھی۔



"میں نے نہیں رکنا یہاں مجھے گھر لے چلو۔" وہ زور زور سے روئے جا رہی تھی۔ ساری بس کو سانپ سونگھ گیا۔

"سب ٹھیک ہے۔ میں ہوں یہاں اوکے۔" عمر اس کے برعکس حواسوں میں بھی تھا۔ اور سب کی موجودگی کی وجہ سے قدرے جھجکا ہوا بھی "لڑکیاں، لڑکے حیرت بھری نظروں سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ راشدہ، رخشی، نصرت بالکل شاکڈ کہ کیا ماجرا ہے۔

"نہیں مجھے ابھی گھر جانا ہے ابھی۔" اس نے ابھی بھی نقاب کر رکھا تھا۔ موٹے موٹے آنسو نقاب بھگو رہے تھے۔ عمر کو اس کے خوف کا بخوبی ادراک تھا۔ وہ کچھ عرصہ پہلے ہی تو بھیانک ترین حادثے سے گزری تھی۔

"اوکے، اوکے میں کرتا ہوں کچھ تم آرام سے بیٹھو۔" عمر کے ساتھ نے اتنا حوصلہ دیا کہ اس کے آنسو تھم گئے جبکہ اپنا ہاتھ عمر نے خود نامحسوس انداز میں چھڑوایا تھا۔ مگر وہ پھر بھی بیٹھی نہیں کھڑی رہی۔

"سر میں حورا کو اپنی گاڑی میں بٹھاؤں تو کوئی مسئلہ تو نہیں ہو گا۔" وہ سر گورمانی سے پوچھ رہا تھا اور مسئلہ ہی نہیں سر کی آنکھوں میں استعجاب تشویش اور شک ایک ساتھ پھن پھیلائے کھڑے تھے۔

"سر یہ میری کزن ہیں۔ میرے سگے چچا کی بیٹی اور۔۔۔" اتنا کہہ کر عمر نے اسے دیکھا، قدرے ہچکچایا اور پھر بولا۔

"ہمارا حال ہی میں نکاح ہوا ہے۔ آپ پرنسپل صاحب سے بھی کنفرم کر سکتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں اس بارے میں۔" اس بار صرف راشدہ، رخشی اور نصرت کے نہیں اکثر لڑکیوں کے منہ کھل گئے اور سر نے کیا کنفرم کرنا تھا۔ دو بجے کون سا پرنسپل جاگ رہے ہوتے۔ البتہ انہوں نے سر ہلا کر ٹھیک ہے ضرور کہا تھا اور معاملہ الٹ ہو گیا۔ عمر جھجکا، شرمایا سا آگے آگے اور وہ ادھر ادھر یا اپنی کسی سہیلی کی طرف دیکھے بغیر مطمئن و پرسکون سی اس کے پیچھے بس سے نیچے اتر آئی۔ لڑکیوں نے شیشوں سے گردنیں نکال نکال کر انہیں دیکھا کہ خبر ہی نہیں یہ جوڑی بھی انہیں اچھی لگ رہی تھی اور واپسی کے دوران دل ہی دل میں جھومتا عمر سوچ سوچ کر خوش ہوتا رہا۔

"کیا گلہ دور کیا ہے حوریہ بیگم نے۔۔۔ کالج تو کیا سارے جگ کو بتا دیا کہ ہم آپ کے ہیں کون؟" اور وہ اس کے دل کی حالت سے بے خبر شیشے سے سر ٹکائے محو خواب رہی۔ ☼ ☼ ☼

"آپ۔۔۔ ابھی تک؟" تین بجے عمر کو گھر بلایا گیا۔ وہ دوستوں کے جمگھٹے سے نکل کر جیسے ہی گھر میں داخل ہوا۔ پہلی نظر لان میں موجود نصرت، راشدہ پر پڑی۔ وہ تینوں آج شادی کی مناسبت سے تیار ہوئی تھیں۔ اور اچھی خاصی لگ رہی تھیں۔

"سر آپ ہمیں گھر سے نکال رہے ہیں؟" لال لپ اسٹک سے رنگے ہونٹ لٹکا کر راشدہ نے بڑی بے تکلفی سے ناراضی جتائی تو عمر ہنس پڑا۔

"میرا یہ مطلب بالکل نہیں تھا۔ آپ بے شک کل ولیمہ تک یہیں رک جائیں۔"

"نہیں خیر وہ تو ہم پھر آجائیں گے۔" مزید بے تکلفی پر اس بار رخشی نے زور سے کہنی ماری تھی۔

"کیا ہے بھائیوں جیسے ہیں۔" راشدہ نے آنکھیں دکھائیں۔ ہتھیلی سہلانے کی اشد ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔

"جی بالکل بہن ہیں یہ میری۔۔۔ ماشاء اللہ سے دسویں۔"

"جی سر۔۔۔ ٹین کہیں۔۔۔ ویسے آپ کو Ten مل گئی۔۔۔ شادی مبارک ہو۔" عمر نے گہری سانس لے کر دسویں بہن کی باتیں سننے کے لیے خود میں مزید توانائی بھری۔ راشدہ کی زبان کا اعتبار نہیں تھا۔ کتنا اور کہاں تک کھلنی تھی۔

"شکریہ۔۔۔ آپ نے کھانا کھایا۔"

"جی سر۔۔۔ اس لیے تو رکے ہوئے تھے۔" رخشی کی کہنی ایک بار پھر اس کی پسلی سہلا گئی۔ عمر نے ہونٹ بھینچ کر مسکراہٹ دبائی۔

"ویسے آپ کی بہن نے نہیں کھایا۔"

"آپ نے کھلانا تھا نا۔"

"آپ خود کھلا دیجیے گا۔" وہ ٹھنکی عمر کان کھجانے لگا۔ برا پھنسا تھا۔

"اب چلو بھی۔" اب کے نصرت نے دوسری پسلی کو مشق ستم بنایا۔ راشدہ کو یہ بے تکلفی مہنگی پڑ رہی تھی۔

"ویسے سر آپ نے اچھا نہیں کیا ہمیں نہیں بتایا تھا؟" وہ دسویں بہن والا پورا پورا حق وصول رہی تھی۔

"کیا؟" عمر واقعی نہیں سمجھا۔

"یہ کہ Ten آپ کی کزن ہے اور۔۔۔"

"میں کیسے بتاتا حوریہ نے بہت سی دھمکیاں دی تھیں۔"

"اچھا تو آپ ڈر گئے۔۔۔؟"

"محبت میں۔" راشدہ کا قہقہہ اتنا اونچا پڑا کہ عمر بھی گھبرا کر ادر گرد دیکھنے لگا۔ بہنیں ساری دلہن کے چاؤ اٹھانے میں مصروف تھیں۔

"سر آپ۔۔۔ آپ نے تاوہ ہونے کا پروف ابھی سے دے دیا۔"

"وہ کیا؟" عمر کے کان پھر سے کھڑے ہوئے راشدہ سے کچھ بعید نہیں تھا کیا کہہ دے۔

"جورو کا غلام۔" راشدہ نے "وہ" کا خلاصہ کیا۔ نصرت کی کہنی پھر سے پسلی پر پڑی۔

"آپ دنیا کے ہر شوہر کو اپنے شوہر سے مت میچ کیجیے۔" عمر نے مسکراتے ہوئے کچی سی چوٹ کی تھی۔ راشدہ نے ہنستے ہوئے سہی۔

"سر اب ہم چلتے ہیں۔ بہت رات ہو گئی ہے۔ یہ تو ویلی (فارغ) ہے۔" بالآخر رخشی نے زبان کھولی شادی والے گھر میں پتا نہیں چل رہا تھا۔ مگر رات واقعی بہت ہو گئی تھی۔ کچھ دیر اور رکتیں تو فجر کی اذان ہونے لگتی۔

"او کے۔۔۔ کیسے جائیں گی آپ؟" عمر نے اصرار مناسب نہ سمجھتے ہوئے پوچھا۔

"سر میں اپنے بھائی کو فون کرتی ہوں وہ لے جائے گا۔"

"آپ ایسا کریں۔" عمر کو رخشی کی اس تجویز سے کچھ اختلاف ہوا۔

"بھائی کو تنگ مت کریں معید۔۔۔ یار۔" ساتھ ہی اس نے دور کرسیاں اٹھواتے معید کو آواز بھی دے ڈالی۔

"معید آپ کو چھوڑ دے گا۔" معید قریب آگیا تھا۔

"سر آپ۔۔۔ بس وہ ہم بھائی کو بلا لیتے۔" رخشی اس خیال سے کہ معید خواہ مخواہ زحمت کرے گا۔ کچھ ہچکچائی۔

"کیوں بھئی۔" عمر حیران ہوا۔

"معید نہیں تو میں خود چھوڑ آتا ہوں۔"

"نہیں نہیں سر۔" راشدہ جلدی سے بولی ساتھ ہی رخشی کو گھور کر "پاگل" بھی کہا۔

"ہم معید کے ساتھ چلے جائیں گے۔"

"دیٹس رائیٹ میں لبنیٰ باجی سے بھی کہتا ہوں۔ آپ کے ساتھ چلی جائیں ٹھیک رہے گا۔" لبنیٰ باجی لان میں ہی آرہی تھیں۔ عمر نے ان کو رخشی لوگوں کا مسئلہ بتایا۔ وہ بلا حجت معید کی ہمراہی میں انہیں ڈراپ کرنے پر تیار ہو گئیں۔

"سر آپ کا شکریہ' آپ نے اپنی شادی پر انوائیٹ کر کے وعدہ نبھایا۔" جاتے جاتے بھی راشدہ زبان کے جوہر دکھاتی گئی۔ عمر نے محض مسکرانے پر اکتفا کیا۔ وہ چلی گئیں تو ہلکا پھلکا سا ہو کر پہلے چہار اطراف اور پھر آسمان کی طرف دیکھا۔ گھر ہی نہیں آسمان بھی تاروں کی چادر سے دمک رہا تھا۔ بالآخر حوریہ اس کی ہوئی تھی۔

۞ ۞ ۞

خوشبوؤں سے معطر ہوئے اپنے کمرے میں جیسے ہی قدم رکھا نظریں بے ساختہ بیڈ پر گئیں۔ اگلے ہی پل وہ بھونچکا رہ گیا۔ بیڈ خالی تھا۔ دلہن کہاں تھی؟ اس نے نظریں گھمائیں۔ اور قدرے مطمئن ہوا دلہن بیڈ روم فریج میں منہ دیے کھڑی تھی۔ وہ دو قدم آگے بڑھا اور دھیمی آواز میں کھنکار کر اپنی آمد کی اطلاع دی۔



حوریہ بوکھلا کر سیدھی ہوئی۔ عمر اس سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑا تھا۔ بے حس و حرکت' ساکت و صامت' یک ٹک' اسے دیکھتا' بے خود ہوتا' بے بس سا بالکل مبہوت وہ یقیناً" دنیا کی حسین ترین دلہن لگ رہی تھی۔ یا صرف اسے ہی لگ رہی تھی۔ نظروں کے اس وارفتہ اور استحقاق بھرے ارتکاز نے حوریہ کو گھبراہٹ میں مبتلا کر دیا۔ گھبراہٹ پر شرم۔۔۔ اور شرم پر جھنجلاہٹ بہت غالب ہوئی جب عمر ٹس سے مس ہونے کے موڈ میں نظر نہ آیا۔ وہ خاصی فرصت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ حوریہ نے انگلیاں موڑنا ترک کر کے بھنویں سکیڑ لیں۔

"وہ۔۔۔" بات کرنے کی ابتدا دلہن کی طرف سے ہوئی اور عمر جاگ گیا۔

"مجھے بھوک لگ رہی تھی۔" گویا یہ ایک غلطی تھی۔ جس کا اعتراف اسے کرنا پڑ رہا تھا۔ عمر کے لبوں پہ مسکراہٹ رینگ گئی۔

"پھر کچھ لیا کیوں نہیں فریج میں جوس' فروٹ سلائس' ہٹو سب کچھ موجود ہے۔" عمر اسے بغور دیکھ کر بولا' اس نے منہ بنا لیا تھا۔

"ہاں پر۔۔۔ یہی سب کچھ میں چار دنوں سے کھا رہی ہوں۔" نہ اپنے دلہن ہونے کے اعزاز کا مان۔۔۔ نہ سامنے کھڑے دولہا کے جذبات کی فکر۔۔۔ نہ اس نئے بندھن کی نزاکت کا احساس۔ وہ بڑی معصوم سی شکل میں اپنی پریشانی بتاتی عمر کے دل میں اتر گئی۔

"اچھا۔۔۔" عمر نے یوں سوچنے میں ٹائم لیا جیسے بڑا مسئلہ آن پڑا ہو۔۔۔ پھر مبہم مسکراہٹ کے ساتھ اپنا ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

"اگر تم مجھ سے دوستی کر لو تو میں تمہیں ابھی باہر لے جا کر تمہاری مرضی کا ڈنر کروا سکتا ہوں۔" حوریہ نے قدرے مشکوک ہو کر اسے دیکھا۔ اپنے لفظوں کی طرح اس کی شکل پہ بھی نرماہٹیں تھیں۔ آنکھوں میں محبت کے علاوہ کوئی پیغام نہیں تھا۔ حوریہ نے نظریں چرا کر بری طرح سے انگلیاں چٹخانا شروع کر دیا۔ عمر ایک بار پھر فرحت و محبت سے دیکھے گیا۔

"ابھی۔۔۔" وہ بے یقین تھی۔

"ہاں ابھی۔" عمر کا انداز قطعی تھا۔

"سب باہر؟" یہ پریشانی بھی بجا تھی۔

"کچھ سو چکے تھے کچھ سونے کی تیاریوں میں تھے۔" عمر نے نظروں کی گرفت برقرار رکھی ہوئی تھی۔ وہ اس کی انہی نظروں سے خائف یہاں وہاں اوپر نیچے دیکھ رہی تھی۔ صرف اسے نہیں دیکھ رہی تھی۔

"اچھا۔۔۔" بالآخر دل آمادہ ہوا کہ بھوک بہت حاوی ہو رہی تھی۔

"ٹھیک ہے میں چلتی ہوں۔" ابھی بھی اسے دیکھے بنا مثبت عندیہ دیا۔ عمر مزے سے ہنسا۔ نظریں چرانے کی یہ مشق بھی خوب تھی۔ وہ اس پہ بھی ظلم کر رہی تھی اور خود پر بھی وہ اسے دیکھتے دیکھتے سیر نہیں ہو رہا تھا اور وہ اسے دیکھنے سے ہی گریزاں۔

"ہاں تو ملاؤ ہاتھ۔" عمر ابھی تک منتظر تھا۔ حوریہ نے تھوڑی سی ہچکچاہٹ کے بعد' مہندی' چوڑیوں' انگوٹھیوں سے سجا ہاتھ' اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ جسے بڑے دل سے عمر نے تھاما وہ قدرے سرخ پڑی۔

"لیکن۔۔۔" اچانک ہی وہ بولی۔

"اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم مجھے اچھے لگنے لگے ہو۔" بڑا غیر متوقع جملہ تھا۔ عمر نے سنا' غور کیا' اور پھر زور سے ہنس دیا۔ محاذ عجلت میں جیت کس کا نصیب بنی تھی۔ یہ تو حوریہ کو خود نظریں چرا کر چھپانا پڑ رہا تھا۔

"میں ایسا نہیں سمجھ رہا ہوں لیکن۔۔۔" ہنسی روک کر وہ دھیمے سے کہنے لگا۔

"میری محبت میں دم ہوا تو تمہیں اچھا بھی لگنے لگوں گا اور تمہیں مجھ سے محبت بھی ہو جائے گی۔ ہے نا۔" حوریہ سے کیا جواب بنتا تھا۔ پہلے نظریں چرا رہی تھی۔ اب ہاتھ چھڑا کر دونوں ہاتھوں میں چہرہ بھی چھپا لیا۔ گویا اعتراف محبت پر پردہ گرا دیا۔ عمر اس ادائے خاص پر سرشار سا ہو تا ہنسنے لگا تھا۔

۞ ۞